بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ



نضر اللہ امرءاً سمع منا حدیثاً فحفظہ حتی یبلغہ

ماہنامہ

اشاعۃ الحدیث

حضرو

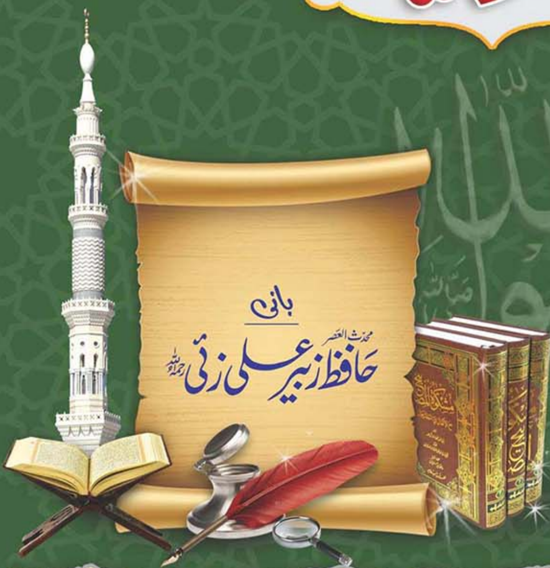
شعبان تا ذوالقعدہ ۱۴۳۶ھ، مئی تا اگست

شمارہ نمبر

129

تا

132



- مقالہ "سند کتاب اور منہج محدثین" پر ایک نظر
- فراہی و اصلاحی نظریات کا مختصر تعارف
- نوری صاحب کی تضاد بیانیاں
- مبارک بن حسان السلمی جرح و تعدیل کے تناظر میں
- نماز کی اہمیت و فضیلت
- تعداد قیام رمضان پر اعتراضات کے جوابات

مستقل سلسلے > ○ احسن الحدیث ○ فقہ الحدیث ○ توضیح الاحکام



مکتبۃ الحدیث حضرو، اٹک پاکستان

www.ircpk.com

کلمۃ الحدیث

ابوالحسن انبالوی

ہم نے حرمین کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

اہل ایمان کے ہاں حرمین شریفین کی جو اہمیت ہے وہ اغیار و کفار کو ایک آنکھ نہیں بھاتی، کیونکہ مکہ و مدینہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی علامت ہے اور اسے ختم کرنے کے لیے وہ ہر قسم کا ہتھکنڈا استعمال کر رہا ہے، تاریخ کو دہرانے کی بھرپور کوشش ہو رہی ہے۔ شہادت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد امت مسلمہ کو جس انتشار و افتراق میں مبتلا کیا گیا اور نفرت کی جو آگ جلائی گئی اسی کی چنگاریوں کو ہوا دینے کے لیے وہی لابی دوبارہ متحرک ہوگئی ہے۔ یہود و نصاریٰ اگر براہ راست حرمین کی طرف قدم بڑھاتے تو وہ امت مسلمہ کے غیظ و غضب کا شکار ہو جاتے، چنانچہ انھوں نے اسلام کے ان نام لیواؤں کا انتخاب کیا جو ان کے اس مشن میں ہمیشہ پارٹنر رہے ہیں جس سے یہود و نصاریٰ کو یہ فائدہ ہوا کہ میڈیا جو شروع سے ان کے زیر اثر ہے اور اسلام کے ان نام لیواؤں نے اس مہم کا آغاز کر دیا جو یہود کے مقصد کو پورا کر سکتی ہے، مثلاً: حرمین، ریاست اور حکمران یہ وہ بحث ہے جو ان کے آلہ کاروں کی زبان پر عام ہے، کیونکہ جب حرمین کے حقیقی محافظوں کو ''حکمران'' اور اس کی سرزمین کو ''ریاست'' قرار دے کر حملہ کیا جائے گا تو عام لوگوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی جائے گی کہ یہ ریاست کی لڑائی ہے، حالانکہ حرمین شریفین کا تقدس پامال ہو رہا ہوگا۔ (والعیاذ باللہ)

جسے کوئی غیور مسلمان برداشت نہیں کر سکتا، لہٰذا ضروری ہے کہ یہود و نصاریٰ کی یہ زبان بولنے والوں سے خود بھی بچا جائے اور دوسرے لوگوں کے سامنے بھی ان کی سازش بے نقاب کی جائے تاکہ حرمین شریفین کے تقدس کی پامالی تو دور کی بات اسے خراش تک نہ آئے۔ آخر میں ہم ان تمام سازشیوں پر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اہل ایمان دفاعِ حرمین میں اپنا خون بہانا بھی سعادت سمجھتے ہیں، اس لیے حرمین شریفین کے بارے میں ناپاک ارادوں سے باز رہنے میں ہی عافیت ہے۔

ع خون دل دے کے نکھاریں گے رخ برگ گلاب
ہم نے حرمین کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

129-132

بانی

محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

مدیر

حافظ ندیم ظہیر

معاون مدیر

نصیر احمد کاشف

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ

نضر اللہ امرءً اسمع منا حدیثاً فحفظه حتی یبلغه

ماہنامہ اشاعۃ الحدیث

حضرو

جلد: 12 | شعبان تا ذیقعدہ ۱۴۳۶ مئی تا اگست ۲۱۰۵ء | شمارہ: 5-8

اس شمارے میں

مجلس ادارت

ابو جابر عبداللہ دامانوی — ابو خالد شاکر

محمد سرور عاصم — محمد ارشد کمال

محمد زبیر صادق آبادی — محمد صدیق رضا

قیمت

فی شمارہ : 40 روپے

سالانہ : 500 روپے

مع محصول ڈاک پاکستان

خط کتابت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر: حافظ شیر محمد الاثری

0300-5288783

مقامِ اشاعت: مکتبۃ الحدیث

حضرو - ضلع اٹک

احسن الحدیث حافظ ندیم ظہیر

تفسیر سورۂ مائدہ

﴿قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ○ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَ اَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ○ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾

(۵/ المائدۃ: ۲۳، ۲۶)

”دو آدمیوں نے کہا (اور) وہ ان لوگوں میں سے تھے جو ڈرتے تھے، ان دونوں پر اللہ نے انعام کیا تھا، تم ان پر دروازے میں داخل ہو جاؤ، پھر جب تم اس میں داخل ہو گئے تو بلا شبہ تم غالب ہو گے اور اللہ ہی پر بھروسا کرو، اگر تم مومن ہو۔ انھوں نے کہا: اے موسیٰ! ہم ہرگز اس میں کبھی داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں موجود ہیں، پس تو اور تیرا رب جاؤ، پھر دونوں لڑو، یقیناً ہم یہیں بیٹھنے والے ہیں۔ اس نے کہا: اے میرے رب! بے شک میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی چیز کا مالک نہیں، لہٰذا تو ہمارے اور ان نافرمان لوگوں کے درمیان علیحدگی کر دے۔ فرمایا: پھر بلا شبہ وہ ان پر چالیس سال حرام کی ہوئی ہے، زمین میں سر مارتے پھریں گے، پس تم ان نافرمان لوگوں پر غم نہ کرو۔“

فقہ القرآن:

☆ ان دونوں آدمیوں کے نام اور ان سے متعلق مختصر وضاحت گزشتہ آیت میں گزر چکی

ہے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی دوخوبیاں ذکر کی ہیں، یعنی وہ دونوں اللہ سے ڈرنے والے تھے اوران پر(خصوصی)انعام ہوا تھااوروہ انعامِ ہدایت ہے کہ دونوں نے اپنے آپ کواللہ اوراس کے نبی کی اطاعت میں دے دیا۔

(تفسیر طبری: ٤/ ٤٥٨، ٤٥٩)

☆ ﴿ ادۡخُلُوۡا عَلَیۡهِمُ الۡبَابَ .... ﴾ان دونوں نے کہا:''تم ان پر دروازے میں داخل ہوجاؤ۔''یعنی اگرتم اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھو گے اوراس کے رسول کی اطاعت کرو گےتو اللہ ان دشمنوں پر تمھیں غالب کردے گا اورتم غلبے کے ساتھ اس شہر میں داخل ہوجاؤ گے،بس تم اس کے دروازے تک تو چلے چلو،لیکن انھوں نے دوٹوک انداز میں انکارکردیا۔

☆ ﴿ قَالُوۡا یٰمُوۡسٰۤی اِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَاۤ اَبَدًا ﴾ ان لوگوں نے نہ صرف انکار کیا بلکہ یہاں تک کہہ دیا:''تو اور تیرارب دونوں جا کرلڑو،ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔''چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مقداد بن اسود (رضی اللہ عنہ) نے بدر کے دن عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا تھا کہ ﴿ فَاذۡهَبۡ اَنۡتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوۡنَ ﴾ لیکن (ہم تو یہی کہیں گے) آپ چلیے ہم آپ کے ساتھ ہیں (یہ سن کر) گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری پریشانی ختم ہوگئی۔

(صحیح البخاری: ٤٦٠٩)

یہ بنی اسرائیل کی بدنصیبی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کی دلیل ہے کیونکہ انھوں نے جہاد میں شرکت سے بزدلی اور مخالفتِ رسول کا اظہار کیا تھا، جبکہ صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ لڑے تھے۔

☆ ﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِكُ اِلَّا نَفۡسِیۡ وَ اَخِیۡ .... ﴾ جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ حکم الٰہی کی تعمیل کے لیے قوم کسی طرح تیارنہیں تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ



ایک طرف میں اور میرا بھائی ہارون ہیں جو ہر طرح سے تیرے حکم کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن دوسری طرف قوم ہے جو نافرمانی پر تُل گئی ہے، لہٰذا ایسی صورت میں تو ہی فیصلہ فرما اور اگر یہ قوم تیرے غضب کا شکار ہونے والی ہے تو ہمیں ان سے علیحدہ کر دے۔ اس آیت اور دیگر دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق و فاجر اور عاصی و باغی لوگوں سے اظہار برأت ضروری ہے، اس خوف سے کہ اگر ان پر عذاب اتار دیا گیا تو نیکو کار اہل ایمان بھی ان کے ساتھ اس کی لپیٹ میں نہ آ جائیں۔

☆ ﴿قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً﴾ بنی اسرائیل نے جو نافرمانی کی تھی اس کی سزا انھیں یہ ملی کہ چالیس سال تک ارض مقدس ان پر حرام کر دی گئی اور وہ جنگل و بیابان میں مارے مارے پھرتے رہے۔

☆ ﴿يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾ لغت میں ''التیة'' سے مراد حیرت ہے، تَاهَ يَتِيْهِ تَيْهًا، یعنی بھٹکتے ہوئے مارے مارے پھرنا۔ اور ارض تیہ اس زمین کو کہتے ہیں جہاں آدمی کو یہ بھی معلوم نہ ہو پائے کہ وہ کہاں سے آیا اور کہاں سے نکلنا ہے، اسے کوئی راستہ نہ ملے۔

بنی اسرائیل کو جب یہ سزا ملی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بطور تسلی فرمایا: ''تو ان نافرمان لوگوں پر غم نہ کر۔'' یعنی ان پر افسوس نہ کر۔ یقیناً انھوں نے حکم الٰہی سے پہلو تہی کی جس کا تقاضا تھا کہ انھیں یہ سزا ملے۔



خبر واحد حجت ہے

جناب غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں: ''احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لیے بنو اسرائیل میں بارہ نقیب مقرر کیے گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خبر واحد حجت ہے۔''

(تبیان القرآن : ۱۱۳/۳)

تحقیق وتخریج حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ ——— ترجمہ وفوائد حافظ ندیم ظہیر

اضواء المصابیح

فقہ الحدیث

بَابُ التَّيَمُّمِ: تیمم کا بیان

اَلْفَصْلُ الْأَوَّلُ

٥٢٦: عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: ((فُضِّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلٰثٍ: جُعِلَتْ صُفُوفُنَا كَصُفُوْفِ الْمَلٰئِكَةِ، وَجُعِلَتْ لَنَا الْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا، وَّجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طُهُوْرًا اِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَآءَ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

سیدنا حذیفہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمیں لوگوں پر تین (چیزوں) کے ذریعے سے فضیلت دی گئی ہے: ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی گئی ہیں، ہمارے لیے ساری زمین کو سجدہ گاہ بنا دیا گیا ہے اور جب ہم پانی نہ پائیں تو اس (زمین) کی مٹی ہمارے لیے باعثِ طہارت بنادی گئی ہے۔''

اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تخریج: صحیح مسلم :٤/٥٢٢(١١٦٥)

فقہ الحدیث:

① لغت میں ''تیمم'' قصد کو کہتے ہیں، جبکہ شرعی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مخصوص (ومسنون) طریقے سے ہاتھوں اور چہرے کا مٹی کے ساتھ مسح کرنا ہے۔

② قرآن، حدیث اور اجماع سے پانی نہ ملنے کی صورت میں یا کسی عذر کی بنا پر تیمم کرنا ثابت ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ ''پھر (اگر) پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو۔'' (٤/النسآء: ٤٣)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر پر

روانہ ہوئے، جب ہم بیداء یا ذات الجیش مقام پر پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ گیا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی تلاش کے لیے رک گئے اور آپ کے ساتھ دیگر لوگ بھی رک گئے۔ وہاں کوئی چشمہ یا کنواں وغیرہ نہیں تھا۔ لوگ (میرے والد) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: آپ دیکھتے نہیں کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے کیا کیا ہے؟ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوسرے لوگوں کو بھی روک رکھا ہے، جبکہ یہاں پانی نہیں ہے اور نہ کسی کے پاس پانی ہے، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے (اس وقت) رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھ کر سو رہے تھے۔ میرے والد نے کہا: تو نے رسول اللہ ﷺ اور دیگر لوگوں کو روک رکھا ہے، جبکہ اس جگہ پانی نہیں ہے اور نہ لوگوں میں سے کسی کے پاس پانی ہے، چنانچہ وہ مجھ سے کافی ناراض ہوئے اور جو اللہ کو منظور تھا کہا اور میرے پہلو میں اپنے ہاتھ سے کچوکے بھی دینے لگے، لیکن رسول اللہ ﷺ کا میرے زانو پر سر مبارک رکھ کر محوِ خواب ہونے، نے مجھے حرکت سے روکے رکھا، بالآخر جب صبح ہوئی اور رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے تو پانی نہ ملا، سو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی اور لوگوں نے تیمم کیا۔ سیدنا اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے آلِ ابوبکر! یہ تمھاری پہلی برکت نہیں ہے۔ (صحيح البخاري: ٣٣٤، صحيح مسلم: ٣٦٧)

اجماع کے لیے دیکھئے: کتاب الاجماع لابن المنذر (١٧) وغیرہ۔

③ نبی کریم ﷺ کے ذریعے سے امت محمدیہ ﷺ کو تین چیزوں کے ساتھ خصوصیت و فضیلت دی گئی ہے:

☆ ساری زمین سجدہ گاہ ہے جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے وہاں نماز ادا کی جا سکتی ہے۔

☆ فرشتے صف باندھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبانی ان کا اعتراف ذکر فرمایا ہے:

﴿وَ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝۱۶۵ وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ﴾

"بلاشبہ ہم صف باندھنے والے ہیں اور یقیناً ہم تسبیح کرنے والے ہیں۔"

(۳۷/الصّٰفّٰت: ۱٦۵، ۱٦٦)



سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم لوگ اس طرح صفیں کیوں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے پاس صفیں بناتے ہیں؟'' ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! فرشتے اپنے رب کے پاس کس طرح صفیں بناتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''وہ پہلی صفوں کو (پہلے) مکمل کرتے ہیں اور صفوں میں ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر (اچھی طرح مل کر) کھڑے ہوتے ہیں۔'' (صحیح مسلم: ٤٣٠، سنن أبي داود: ٦٦١)

اور ''ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی گئی ہیں۔'' کا بھی یہی مفہوم ہے۔

☆ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کرلینا۔

٥٢٧: وَعَنْ عِمْرَانَ قَالَ: كُنَّا فِيْ سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ، فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلٰوتِهِ، اِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُّعْتَزِلٍ لَّمْ يُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ، فَقَالَ: ((مَا مَنَعَكَ يَا فُلَانُ! اَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ؟))قَالَ: اَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ، وَلَا مَآءَ، قَالَ: ((عَلَيْكَ بِالصَّعِيْدِ، فَاِنَّهٗ يَكْفِيْكَ)).مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

سیدنا عمران (ابن حصین رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے، ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ایک آدمی کو علیحدہ سے بیٹھے دیکھا، اس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''اے فلاں! لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے تجھے کیا چیز مانع تھی؟'' اس نے عرض کیا: مجھے جنابت لاحق ہوگئی ہے اور پانی (بھی) میسر نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''تم مٹی استعمال کرو کیونکہ وہ تجھے کفایت کرے گی۔'' (متفق علیہ)

تخریج: صحیح البخاری: ٣٤٤، صحیح مسلم: ٣١٢/٦٨٢

فقه الحديث:

1. سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیمم کا حکم نازل ہو چکا تھا لیکن جنابت لاحق ہونے کی صورت میں بھی اگر پانی نہ ملے تو تیمم کیا جا سکتا ہے، یہ معروف نہیں تھا اسی لیے وہ شخص جماعت میں شامل نہیں ہوسکا۔

۲ مٹی پانی کے قائم مقام ہے۔ اگر پانی میسر نہ ہو تو تیمم کر کے نماز وغیرہ پڑھی جا سکتی ہے۔

۳ کسی کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے اس سے گفت وشنید کر لیں، ممکن ہے وہ معذور ہو۔

۵۲۸: وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ: جَآءَ رَجُلٌ اِلٰی عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ فَقَالَ: اِنِّیْ اَجْنَبْتُ فَلَمْ اُصِبِ الْمَآءَ، فَقَالَ عَمَّارٌ لِّعُمَرَ: اَمَا تَذْكُرُاَنَّا كُنَّا فِیْ سَفَرٍ اَنَا وَاَنْتَ فَاَمَّا اَنْتَ؟ فَلَمْ تُصَلِّ، وَاَمَّا اَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ، فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: ((اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ هٰكَذَا)) فَضَرَبَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِكَفَّيْهِ الْاَرْضَ وَنَفَخَ فِيْهِمَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ، رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُهُ، وَفِيْهِ: قَالَ: ((اِنَّمَا يَكْفِيْكَ اَنْ تَضْرِبَ بِيَدَيْكَ الْاَرْضَ، ثُمَّ تَنْفُخَ، ثُمَّ تَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَكَ وَكَفَّيْكَ)).

سیدنا عمار (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک آدمی نے سیدنا عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے پاس آ کر کہا: میں جنبی ہو گیا ہوں (اور) مجھے پانی میسر نہیں۔ عمار (رضی اللہ عنہ) نے عمر (رضی اللہ عنہ) سے کہا: آپ کو یاد نہیں کہ ایک سفر میں، مَیں اور آپ (اکٹھے) تھے، آپ نے تو (جنابت کی وجہ سے) نماز نہ پڑھی لیکن میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہو گیا اور نماز پڑھ لی، پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ (واقعہ) بیان کیا تو آپ نے فرمایا: ”تمھارے لیے بس اسی طرح کافی تھا۔“ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر مارا اور ان دونوں میں پھونک ماری، پھر ان دونوں سے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کا مسح کیا۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور مسلم نے بھی اسی طرح (روایت) کیا ہے، البتہ اس میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ”تجھے اتنا ہی کافی تھا کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارتے، پھر (ان میں) پھونک مارتے، پھر ان دونوں سے اپنے چہرے اور اپنی ہتھیلیوں کا مسح کر لیتے۔“

تخریج: صحیح البخاری: ۳۳۸، صحیح مسلم: ۱۱۲/۳۶۸۔

فقہ الحدیث:

۱ اس حدیث میں تیمم کا طریقہ منقول ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر ایک بار مارا



جائے، پھران میں پھونک مار کراس سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرلیا جائے تو تیمم مکمل ہوجائے گا اور یہی طریقہ مسنون اور ثابت ہے۔

۲ ایک روایت میں ہے کہ "تیمم دو ضربوں سے ہوتا ہے، ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ضرب دونوں ہاتھوں کے لیے۔" اسے دارقطنی (۱/ ۱۸۰) نے روایت کیا ہے، اس کی سند علی بن ظبیان کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حافظ ذہبی نے فرمایا: " بل (علي بن ظبيان) واه۔" تلخيص المستدرك (۱/۱۷۹)

علی مذکور جمہور کے نزدیک ضعیف ہے، نیز اس کے تمام طرق بھی ضعیف ہیں، لہٰذا یہ روایت قابل حجت نہیں جس کی تفصیل باب کی آخری حدیث کے تحت آئے گی۔ ان شاءاللہ

۵۲۹: وَعَنْ اَبِی الْجُهَيْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ قَالَ: مَرَرْتُ عَلَى النَّبِیِّ ﷺ وَهُوَ يَبُوْلُ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ حَتّٰى قَامَ اِلٰى جِدَارٍ، فَحَتَّهُ بِعَصًا كَانَتْ مَعَهُ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى الْجِدَارِ، فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ، ثُمَّ رَدَّ عَلَيَّ. وَلَمْ اَجِدْ هٰذِهِ الرِّوَايَةَ فِی الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِی كِتَابِ الْحُمَيْدِیِّ وَلٰكِنْ ذَكَرَهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَقَالَ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ.

ابوجہیم بن حارث بن صمہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس سے گزرا، جبکہ آپ پیشاب کر رہے تھے۔ میں نے آپ کو سلام کیا لیکن آپ نے جواب نہیں دیا حتیٰ کہ آپ ایک دیوار کی طرف گئے تو اپنے عصا کے ساتھ اسے کھودا، پھر اپنے ہاتھ دیوار پر رکھ کر اپنے چہرے اور بازوؤں کا مسح کیا، پھر مجھے سلام کا جواب دیا۔ یہ روایت مجھے نہ صحیحین میں ملی اور نہ حمیدی کی کتاب (المسند) میں ملی، لیکن (بغوی نے) اسے شرح السنۃ میں بیان کر کے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔

تحقیق الحدیث: إسناده ضعيف جدًا۔

تخریج: شرح السنة للبغوى (۲/۱۱٤، ۱۱۵ح ۳۱۰ وقال: "هذا حديث حسن!")

اسے امام شافعی نے (المسند ۱/٤۵) اور بیہقی نے (السنن الکبریٰ ۱/۲۰۵) بھی روایت کیا ہے۔ ابراہیم بن ابی یحییٰ الاسلمی متروک ہے۔ (التقریب : ۲٤۱)

حافظ ندیم ظہیر

توضیح الأحکام

سوال و جواب — تخریج الاحادیث

فراہی و اصلاحی نظریات کا مختصر تعارف

سوال: ...... محترم حافظ صاحب! مجھے ایک کتاب ''ترجمان الخطیب'' پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے، اس کے صفحہ ۵۴ پر مؤلف نے جناب حمید الدین فراہی اور امین احسن اصلاحی کو ''امام و جلیل القدر محقق عالم دین اور بزرگ'' وغیرہ القابات سے نوازا ہے۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ واقعی مستند اور قابل اعتماد علماء میں سے ہیں؟ اس بارے میں وضاحت درکار ہے۔ (ظفر اقبال سندھو، گوجرانوالہ)

جواب: ...... حمید الدین فراہی صاحب کی جو کاوشیں منظر عام پر آئی ہیں وہ عموماً قرآن مجید اور اس کی تفسیر سے متعلق ہیں جن کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس سلسلے میں وہ اہل سنت والجماعت کے منہج سے ہٹے ہوئے ہیں جس کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

(۱) قرآن فہمی اور فراہی

فراہی صاحب لکھتے ہیں: ''یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن اپنی تفسیر کے لیے ان فروع (یعنی احادیث) کا محتاج نہیں ہے۔ وہ تمام کتابوں کے لیے خود مرکز و مرجع کی حیثیت رکھتا ہے اور جہاں کہیں اختلاف ہو تو اسی کی روشنی جھگڑے کو چکانے والی بنے گی۔''

(تفسیر نظام القرآن ص ۴۵۱)

فراہی صاحب نے احادیث کو فروع قرار دینے کے بعد واضح کیا کہ تفسیر قرآن میں ان کی کوئی ضرورت نہیں، حالانکہ کتاب و سنت سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہی قرآن کو واضح بیان کرنے والے، یعنی مفسر اعظم و اول ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ﴾

’’اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے کھول کر بیان کردیں جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے تاکہ وہ غور وفکر کریں۔‘‘

(١٦/ النحل : ٤٤)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا: ’’یَجِبُ أَنْ یَعْلَمَ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ بَیَّنَ لِأَصْحَابِهِ مَعَانِیَ الْقُرْآنِ کَمَا بَیَّنَ لَهُمْ أَلْفَاظَهُ.‘‘ یہ جان لینا ضروری ہے کہ بلاشبہ نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کو (اسی طرح) قرآن کے معانی بتائے جس طرح ان کو اس کے الفاظ بتائے ہیں۔

(مقدمہ اصول تفسیر ص ۱۹۳)

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے فرمایا: ’’ذکر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر نازل کی، خواہ قرآن سے ہو یا سنت سے۔‘‘ (الاحکام لابن حزم: ۱۲۲/۱)

امام مکحول رحمہ اللہ نے فرمایا: ’’اَلْقُرْآنُ أَحْوَجُ اِلَی السُّنَّةِ مِنَ السُّنَّةِ اِلَی الْقُرْآنِ‘‘ قرآن سنت کا زیادہ محتاج ہے بنسبت کہ سنت قرآن کی محتاج ہے۔

(الکفایة للخطیب ١/ ٨١ رقم : ٢١ وسنده صحیح)

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے امام اوزاعی رحمہ اللہ کے قول کی توضیح میں فرمایا: ’’سنت ہی قرآن پر فیصلہ کرتی ہے اور اس کی مراد کو واضح کرتی ہے۔‘‘

(جامع البیان وفضله ٢/ ٢٣٢)

علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے فرمایا: ’’اگر کوئی شخص حدیث کو چھوڑ کر قرآنی الفاظ کے لغوی معنی پر عمل کرے تو وہ گمراہ، کتاب اللہ سے جاہل اور اندھیروں سے خطاب کرنے والا ہے جو راہ راست تک نہیں پہنچ پاتا۔‘‘ (الموافقات ٤/ ٢١)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ’’مَنْ رَدَّ حَدِیْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ﷺ) فَهُوَ عَلَی شَفَا هَلَکَةٍ‘‘ جس نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث رد کردی وہ ہلاکت کے کنارے پر ہے۔ (مناقب الامام احمد لابن الجوزی ص ١٨٢ وسنده حسن)

نیز آپ نے فرمایا: ”اِنَّ السُّنَّةَ تُفَسِّرُ الْكِتَابَ وَتُبَيِّنُهُ“ بلاشبہ سنت قرآن کی تفسیر اوراس کی تبیین کرتی ہے۔“ (جامع بیان العلم وفضله لابن عبد البر ۲/ ۲۳۲ واللفظ له، مسائل الامام أحمد رواية أبی داود: ۱۷۸۸)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلَا اِنِّيْ اُوْتِيْتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ)) ”آگاہ رہو! مجھے کتاب اوراس کے ساتھ اسی کی مثل (حدیث) دی گئی ہے۔“

(سنن ابی داود: ٤٦٠٤ وسنده صحيح)

فراہی صاحب نے قرآن مجید کی تفسیر میں قرآن، حدیث اور سلف صالحین کے منہج و فہم سے روگردانی کر کے اپنی عقل وفہم ہی کو معتبر سمجھا، چنانچہ جسے اہل سنت والجماعت (اہل حدیث) نے تفسیر قرآن کی اساس قرار دیا اس سے کنارہ کشی اختیار کی جو صریح گمراہی ہے۔

تفسیر بالماثور کی تردید میں فراہی صاحب نے لکھا: ”بعض لوگوں کے خیال میں تفسیر یا تو سلف صالحین سے منقول ہوگی یا اس کے خلاف اور یہ تفسیر بالرائے ہے (لہٰذا) اول الذکر قابل اعتماد اور مؤخر الذکر ممنوع ہے...... یہ ایک ایسا قول ہے جس پر حق کا ملمع ہے اور اس کے اندر باطل پوشیدہ ہے جو شخص بھی اس گڑھے میں گرا اسے نکلنا نصیب نہ ہوا، الا ماشاء اللہ۔“ (التكميل فی اصول التاويل ص ٦٦)

اول الذکر کے علاوہ فراہی صاحب کا قول باطل ومردود ہے کیونکہ اس کی زد میں براہ راست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آتے ہیں جنھوں نے نبی کریم ﷺ سے قرآن کی تفسیر سیکھی اور تابعین عظام بھی جنھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تفسیر سیکھی ہے۔

ابوعبدالرحمن السلمی (جلیل القدر تابعی رحمہ اللہ) نے فرمایا: ”اِنَّا أَخَذْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ قَوْمٍ أَخْبَرُوْنَا أَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا تَعَلَّمُوْا عَشْرَ آيَاتٍ لَمْ يُجَاوِزُوْهُنَّ اِلَى الْعَشْرِ الْاُخَرِ حَتّٰى يَعْلَمُوْا مَا فِيْهِنَّ فَكُنَّا نَتَعَلَّمُ الْقُرْآنَ وَالْعَمَلَ بِهِ“ ”بلاشبہ ہم نے قرآن مجید ان سے لیا (سیکھا) ہے جنھوں نے ہمیں بتایا کہ جب ہم (نبی کریم ﷺ سے) دس آیتوں کی تعلیم حاصل کر لیتے تو اس وقت تک دوسری دس

آیات کی طرف نہیں بڑھتے تھے جب تک ان کی (معرفت وحقیقت پوری گہرائی وگیرائی سے نہ) جان لیتے تھے، لہٰذا ہم نے علم وعمل دونوں کی تعلیم حاصل کی ہے۔ (مسند احمد ٥/٤١٠ الطبقات لابن سعد ٦/ ٢١٢ واللفظ له وسنده صحيح)

تنبیہ: حماد بن زید نے عطاء بن السائب سے قبل از اختلاط سنا ہے، والحمدللہ۔

یہ ہیں ہمارے سلف صالحین جنھوں نے تفسیر قرآن سیکھنے میں اس قدر محنت فرمائی، جبکہ فراہی صاحب اسے درخوراعتنا ہی نہیں سمجھتے جو ان کی خود پسندی اور گمراہی کی واضح دلیل ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے مذاہب اوران کی تفاسیر سے انحراف کرکے ان کے مخالف راہ اختیار کرے گا وہ خطا کار بلکہ بدعتی ہوگا، اگر مجتہد ہوا تو اس کی خطا قابل معافی ہے۔ اصل مقصود علم کے طرق اور اس کے دلائل وصواب طرق کو بیان کرنا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ قرآن مجید کو صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے پڑھا ہے اور یہ (جلیل القدر) لوگ قرآن کی تفسیر اور اس کے معانی کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے، جس طرح وہ اس حق کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث فرمایا۔ پس جو شخص بھی ان کے قول کی مخالفت کرے گا اور تفسیر قرآن میں ان کی تفسیر کے خلاف کرے گا وہ دلیل ومدلول سب میں خطا کار ہوگا۔'' (مجموع الفتاوٰی ١٣/٣٦٢)

حافظ ابوالمظفر السمعانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اہل حدیث اپنا دین اور اپنے عقائد نسل در نسل سلف صالحین سے لیتے رہے حتیٰ کہ ان کا یہ سلسلہ تابعین تک جا پہنچا اور تابعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے (دین وایمان کو) حاصل کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (براہ راست) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سیکھا، جس صراط قویم اور دین مستقیم کی طرف آپ نے دعوت دی، اس کی معرفت کا محض یہی طریقہ ہے۔''

(الحجة فی بيان المحجة لابی القاسم ٢/ ٢٣٧، ٢٣٨)

مذکورہ بالا آثار واقوال سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ تفسیر بالماثور کے بارے

میں فراہی صاحب کے نظریات باطل اور محض اختراعی ہیں جن سے اہل حق کو اپنا دامن بچانا چاہیے۔

کیا صحیح حدیث قرآن سے ٹکراتی ہے؟

احادیث کو رد کرنے کے لیے فراہی صاحب نے ایک قاعدہ یہ بیان کیا کہ ''جب احادیث کا اس (قرآن) سے ٹکراؤ ہوگا تو قرآن ہی فیصلہ کن ہوگا۔'' (فاتحہ تفسیر نظام القرآن ص ۳۲)

ہم پورے شرح صدر سے یہ بات لکھ رہے ہیں کہ کوئی صحیح حدیث، قرآن مجید سے نہیں ٹکراتی، لہٰذا فراہی صاحب کی بنیادی فکر ہی غلط ہے۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا: ''نشهدُ اللهَ تعالٰی علَيْهِ وَمَلَائِكَتَهُ أَنَّهُ لَيْسَ فِي حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مَا يُخَالِفُ الْقُرْآنَ وَلَا مَا يُخَالِفُ الْعَقْلَ الصَّرِيْحِ بَلْ كَلَامُهُ بَيِّنٌ لِلْقُرْآنِ وَتَفْسِيْرٌ لَهُ......''

ہم اللہ اور اس کے فرشتوں کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں ایسی کوئی چیز نہیں جو قرآن مجید یا عقل صریح کے خلاف ہو بلکہ آپ کا کلام قرآن کا بیان، اس کی تفسیر اور تفصیل ہے۔

(مختصر الصواعق المرسلة على الجهمية والمعطلة ص ٦١٢)

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ کی سنت کسی صورت میں بھی قرآن مجید کے خلاف نہیں ہو سکتی۔'' (الرسالة : ٥٤٦)

امام بغوی رحمہ اللہ ایک صحیح حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''اس حدیث میں دلیل ہے کہ حدیث کو قرآن پر پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ جب وہ حدیث صحیح ہے تو بذات خود حجت ہے۔'' (شرح السنة للبغوی ١/٢٠١، ٢٠٢)

امام ابوالقاسم اسماعیل بن محمد اصبہانی قوام السنۃ نے فرمایا: ''بعض (منکرین) کا یہ قول کہ سنت کو قرآن پر پیش کیا جائے گا، اگر وہ موافق قرآن ہوا تو صحیح ورنہ ہم قرآن کے ظاہر کو تسلیم کریں گے اور حدیث کو چھوڑ دیں گے تو یہ جہالت پر مبنی قول ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ

کی سنت نہ صرف قرآن کے موافق ہے بلکہ اللہ عزوجل کی طرف سے قرآن کا بیان ہے۔ کوئی سنت قرآن کے مخالف نہیں ہے۔" (الحجة فی بیان المحجة ٢ /٤٢٥، ٤٢٦)

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اطاعت واتباع کا مطلقاً حکم دیا ہے اور اسے کسی چیز سے مشروط نہیں کیا اور اللہ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ (حدیث رسول) تب مانو جب وہ اللہ کی کتاب کے موافق ہو، جیسا کہ بعض کج روقسم کے لوگ کہتے ہیں۔" (جامع بیان العلم وفضلہ ص ٤٨٥)

اہل سنت کے نزدیک تقریباً یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ کوئی صحیح حدیث قرآن کے مخالف نہیں جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ فراہی صاحب راہِ اہل سنت سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

صحیحین کے بارے میں فراہی نظریہ

صحیحین کے بارے میں فراہی صاحب لکھتے ہیں: "جان لو کہ اکثر اہل حدیث کے دلوں میں یہ بات راسخ ہے کہ بخاری ومسلم نے جو کچھ روایت کردیا ہے، اب اس میں کسی کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔" (فاتحہ تفسیر نظام القرآن ص ٣٢، ٣٣)

مذکورہ عبارت میں فراہی صاحب صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی صحت کو مشکوک بنانے کی کوشش میں ہیں، حالانکہ یہ وہ عظیم کتابیں ہیں جن کی صحت پر اجماع ہوچکا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں: "صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں تمام محدثین متفق ہیں کہ ان میں تمام کی تمام متصل اور مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اپنے مصنّفین تک بالتواتر پہنچی ہیں۔ جو ان کی عظمت نہ کرے وہ بدعتی ہے جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔" (حجة اللہ البالغہ ١ /٢٤٢، ترجمہ عبدالحق حقانی)

جناب عینی حنفی نے فرمایا: "مشرق ومغرب کے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد بخاری ومسلم سے زیادہ صحیح کتاب کوئی نہیں ہے۔"

(عمدة القاری ١/٥)

قارئین کرام! فراہی صاحب چونکہ احادیث سے الرجک ہیں، لہٰذا اس سلسلے میں

عجیب وغریب شکوک وشبہات کو ہوا دیتے ہیں بلکہ فراہی صاحب اپنے ساتھیوں میں منکر حدیث مشہور تھے، جیسا کہ عبید اللہ سندھی صاحب نے لکھا ہے کہ ''مولانا حمید الدین مرحوم میرے بہت پرانے دوست تھے۔قرآن شریف کے تناسق آیات میں ہمارا مذاق متحد تھا...... جب تک ہندوستان میں ان سے ملتا رہا حدیث شریف کے ماننے نہ ماننے کا جھگڑا کبھی ختم نہیں ہوا۔اتفاقاً جس سال میں مکہ معظّمہ پہنچا ہوں، اسی سال وہ بھی حج کے لیے آئے، ہماری باہمی مفصل ملاقاتیں رہیں، افکار میں بے حد توافق پیدا ہو گیا تھا، مگر وہاں بھی حدیث کے ماننے نہ ماننے پر بحث شروع ہوگئی، ہم نے سختی سے انکار کیا اور کہا کہ حدیث کو ضرور ہی ماننا پڑے۔تنگ آکر فرمانے لگے، آخر آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا: موطا مالک! فرمایا، ہم اس کو مانتے ہیں۔میں نے کہا بس آج سے ہمارا نزاع ختم ہے، ہم آپ کو صحیح بخاری ماننے کے لیے مجبور نہیں کرتے۔'' (الفرقان، بریلی، شاہ ولی اللہ نمبر طبع دوم ۱۹۴۱ء ص ۳۰۲)

جی! آپ نے ملاحظہ کیا کہ محض اپنی جان چھڑانے کے لیے، تنگ آکر فراہی صاحب نے ہامی بھرلی ورنہ ان کا رجحان انکار ہی کی طرف ہے، جیسا کہ مذکورہ عبارت میں آخری الفاظ سے پتہ چل رہا ہے۔

محدثِ دوراں عبدالرحمن بن یحییٰ المعلمی رحمہ اللہ کا فراہی پر رد

سلف صالحین کے راستے سے انحراف کی بنا پر فراہی صاحب نے تفسیر کے سلسلے میں جا بجا ٹھوکریں کھائی ہیں جس پر ایک ضخیم کتاب معرض وجود میں آسکتی ہے۔صرف سورۂ فیل کی تفسیر میں جو انھوں نے عقلی گھوڑے دوڑائے، اس کی تردید میں فضیلۃ الشیخ الامام عبدالرحمن المعلمی رحمہ اللہ نے تقریباً اڑھائی سو صفحات پر مشتمل ''رسالة فی التعقیب علی تفسیر سورة الفیل للمعلم عبد الحمید الفراهی'' تحریر کیا ہے جس میں فراہی صاحب کی موشگافیوں کا بہترین اور مدلل رد موجود ہے۔

مؤلف ترجمان الخطیب کے ''امام، جلیل القدر محقق اور بزرگ'' کا مختصر تذکرہ پیش کر دیا گیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ایسی شخصیت کو ایسے القابات سے نوازنا سادہ

لوح عوام کو بھول بھلیوں میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ ہمارے اسلاف اس بارے میں بہت محتاط تھے۔

ایک دفعہ امام ابن سیرین رحمہ اللہ تشریف فرماتے تھے کہ اچانک اہل بدعت میں سے دو آدمی آپ کے پاس آکر کہنے لگے: اے ابوبکر! ہم آپ کو ایک حدیث بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں، مجھے حدیث بیان نہ کرو۔ انھوں نے کہا: اچھا تو ہم قرآن کی کوئی آیت پڑھتے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ نے (ان بدعتیوں سے) فرمایا: تم دونوں مجھ سے دور ہو جاؤ، نہیں تو میں خود اٹھ کر چلا جاتا ہوں۔ جب وہ دونوں چلے گئے تو لوگوں نے آپ سے کہا: اگر وہ آپ کے سامنے قرآن کی کوئی آیت پڑھ دیتے تو اس میں کون سی حرج والی بات تھی؟ آپ نے فرمایا: مجھے یہ اندیشہ تھا کہ وہ آیت پڑھ کر اس کی (غلط تاویل) تحریف کریں گے جو میرے دل میں جگہ پکڑ لے گی۔ (سنن الدارمی ۱۰۹/۱ ح ۴۰۳ وسندہ صحیح)

امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: ''جس نے کسی بدعتی کی مدد کی تو اس نے اسلام گرانے میں مدد کی۔'' (حلیة الأولیاء ۱۰۴/۸ وسندہ صحیح)

امین احسن اصلاحی صاحب

سوال میں پوچھی گئی دوسری شخصیت کا حال بھی پہلے سے کچھ مختلف نہیں کیونکہ یہ دونوں استاد شاگرد ہیں اور اصلاحی صاحب نے فراہی صاحب ہی کے منہج کو سہارا دینے کی کوشش کی تھی۔ اصلاحی صاحب نے رجم کی حقیقت و حیثیت سے چشم پوشی کرتے ہوئے اسے باطل تاویلات کی بھینٹ چڑھا دیا جس کے نتیجے میں ان کا قلم پھسلا اور بعض صحابہ و صحابیات کے بارے میں بھی نازیبا الفاظ لکھ دیے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''معلوم ہوتا ہے کہ اسی قماش کے کچھ مرد اور بعض عورتیں زیرزمین پیشہ کرتے رہے اور تنبیہ کے باوجود باز نہیں آئے۔'' (تدبر قرآن ۳۷۲/۵)

اندازہ کیجیے اصلاحی صاحب نے اپنے موقف کو بچانے کے لیے محض ایک غلطی کے مرتکب افراد کو ''پیشہ ور'' ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ والعیاذ باللہ



اصلاحی صاحب نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ سیّدنا ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو ''نہایت بدخصلت اور غنڈا'' قرار دیا۔ (تدبر قرآن ۳۶۹/۵)

پھر اس پر ڈھٹائی کا ثبوت یہ لکھ کر دیتے ہیں: ''میری رہنمائی کے لیے یہ بات ہی کافی ہے کہ نبی ﷺ نے اس کو رجم کی سزا دلوائی اور اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔ اس وجہ سے ان روایات کو ترجیح دیتا ہوں جن سے اس کا وہ کردار سامنے آتا ہے جس کی بنا پر مستحق رجم ٹھہرا۔'' (تدبر قرآن ۳۶۹/۵)

یہ محض اصلاحی صاحب کی کم علمی اور سلف صالحین کی مخالفت کا نتیجہ ہے ورنہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیّدنا ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کی نہ صرف نماز جنازہ ادا کی ہے بلکہ اپنے صحابہ کو یہ حکم بھی دیا کہ ماعز کے لیے بخشش طلب کرو۔ دیکھئے: صحیح بخاری (٦٨٢٠) سنن ابی داود (٤٤٣٠) المصنف لعبدالرزاق (١٣٣٣٩) وغیرہ۔

فراہی گروہ سے متعلق حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے بہترین تبصرہ کیا ہے، چنانچہ آپ لکھتے ہیں: ''فراہی گروہ عرصہ دراز سے قرآن کے نام پر گمراہی پھیلا رہا ہے جس میں سرفہرست مولانا امین احسن اصلاحی اور اُن کے تلمیذ خاص جاوید احمد غامدی اور اُن کے تلامذہ ومتاثرین ہیں۔'' نیز لکھتے ہیں: ''اب اس گروہ نے اپنا چولا بدل لیا ہے، علم وفضل کا مدعی ہے، دینی ادارے کھول لیے ہیں، قرآن کے مفسر ہیں اور بہ زعم خویش دین اسلام کے سمجھنے کا ایسا ادّعا ہے کہ چودہ سو سال تک کسی نے ایسا نہیں سمجھا جیسا انھوں نے قرآن کی روشنی میں سمجھا ہے۔ چنانچہ حدیث کو نظر انداز کر کے یہ گروہ دین اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کر رہا ہے جس میں تصویر سازی بھی جائز ہے، رقص وسرور بھی جائز ہے، مغنیات (گلوکاراؤں) کا وجود بھی ضروری ہے، عورت بھی مردوں کی امامت کرا سکتی ہے، مرد اور عورت ایک ساتھ مل کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ عورت کے لیے چہرے کی حد تک عریانی جائز ہے، زنا کی حد کے اثبات کے لیے چار عینی گواہ ضروری نہیں، قرائن سے بھی حد کا اثبات جائز ہے، علاوہ ازیں

گواہوں کا مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں، غیر مسلم کی گواہی بھی جائز ہے، عورت کی گواہی بھی مرد کی گواہی کے برابر ہے، مطلقہ ثلاثہ کا کسی بھی مرد سے صرف نکاح کر لینا اور اس سے ہم بستری کیے بغیر طلاق لے کر دوبارہ زوج اول سے نکاح کر لینا جائز ہے، داڑھی کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے، اسلام میں سزائے رجم نہیں ہے بلکہ یہ قرآن کے خلاف ہے، معراج ایک خواب ہے، نزول عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ غلط ہے، امام مہدی اور دجال کا خروج بے بنیاد ہے، حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ ایک غنڈہ اور اوباش تھے (نعوذ باللہ)، غامدیہ (صحابیہ رضی اللہ عنہا) پیشہ ور زانیہ تھی (نعوذ باللہ) وغیرھا ومن الخرافات والمخترعات۔"

(ہفت روزہ الاعتصام، شمارہ ۲۶، صفحہ ۱۵، ۱۶)

قارئین کرام! اصلاحی اور فراہی صاحبان کے افکار و نظریات پر مستقل ایک کتاب کی ضرورت ہے ہم نے تو صرف چند جھلکیاں پیش کی ہیں جس سے امید واثق ہے کہ عام قاری بھی محسوس کر سکتا ہے کہ یہ دونوں حضرات راہ سلف سے ہٹ کر گمراہی اختیار کر چکے ہیں، لہٰذا انھیں "امام، جلیل القدر محقق و بزرگ" بنا کر پیش کرنے کی بجائے عوام و خواص کو اصل حقیقت سے آگاہ کیا جائے تاکہ کوئی دوسرا صراط مستقیم سے بھٹک نہ سکے۔

وما علینا الا البلاغ



کتاب کی تحقیق و تلخیص

طاؤس رحمہ اللہ کا بیان ہے: "أُتِیَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِکِتَابٍ فِیْهِ قَضَاءُ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ فَمَحَاهُ اِلَّا قَدَرَ" سیدنا ابن عباس (رضی اللہ عنہ) کے پاس ایک کتاب لائی گئی جس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے (تحریر) تھے تو انہوں نے اس قدر چھوڑ کر باقی (ساری تحریر) مٹا دی۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے اپنی ذراع کے ساتھ اشارہ کیا، یعنی بس اسی قدر چھوڑا۔ (مقدمہ صحیح مسلم: ۲۳)

از قلم: حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ
ترجمہ: حافظ فرحان الٰہی

سنت کے سائے میں

زمین پر اللہ کے گواہ......؟

امام مسلم رحمہ اللہ اپنی صحیح (۹۴۹) میں فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ وَ أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ كُلُّهُمْ عَنِ ابْنِ عُلَيَّةَ وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: مُرَّ بِجَنَازَةٍ فَأُثْنِيَ عَلَيْهَا خَيْرًا ، فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ ((وَجَبَتْ وَجَبَتْ وَجَبَتْ)) وَمُرَّ بِجَنَازَةٍ فَأُثْنِيَ عَلَيْهَا شَرًّا، فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ: ((وَجَبَتْ وَجَبَتْ وَجَبَتْ)) قَالَ عُمَرُ فِدًى لَكَ أَبِيْ وَ أُمِّي! مُرَّ بِجَنَازَةٍ فَأُثْنِيَ عَلَيْهَا خَيْرًا فَقُلْتَ: وَجَبَتْ وَجَبَتْ وَجَبَتْ، وَ مُرَّ بِجَنَازَةٍ فَأُثْنِيَ عَلَيْهَا شَرًّا فَقُلْتَ: وَجَبَتْ وَجَبَتْ وَجَبَتْ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: ((مَنْ أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، وَمَنْ أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الْأَرْضِ، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الْأَرْضِ، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الْأَرْضِ))

سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا، لوگوں نے اس (میت) کی تعریف کی، اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ''واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی۔'' پھر ایک اور جنازہ گزرا، اس پر لوگوں نے بری رائے کا اظہار کیا تو اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ''واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی۔'' عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ ﷺ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، پہلے ایک جنازہ گزرا اور لوگوں نے اس

کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا: ''واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی۔'' پھر ایک جنازہ گزرا، لوگوں نے اس کے بارے میں بری رائے کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا: واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس پر تُم نے اچھی رائے کا اظہار کیا اس پر جنت واجب ہوگئی، اور جس پر تم نے بری رائے کا اظہار کیا اُس پر جہنم واجب ہوگئی، تم زمین پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو، تم زمین پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو، تم زمین پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو۔''

تخريج: وأخرجه البخاري، كتاب الجنائز، باب ثناء الناس على الميت، ح: ١٣٦٧، من حديث عبد العزيز بن صهيب به مختصراً، وزاد البخاري (٢٦٤٢) في رواية حماد بن زيد عن ثابت عن أنس: المؤمنون شهداء اللّٰه في الأرض۔

فقہ الحدیث:

1 یہ حدیث اجماع کی حجیت پر دلالت کر رہی ہے، کیوں کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے مل کر ایک آدمی کے بارے میں خوش کن رائے کا اظہار کیا، ان میں سے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا، اس سبب سے اس آدمی پر جنت واجب ہوگئی۔ بعینہٖ ثقہ محدثین کی اجماعی رائے بھی اسی اہمیت کی حامل ہے، چنانچہ اگر ائمہ جرح وتعدیل کسی راوی کی توثیق پر یا اس کے برخلاف اس کی جرح پر اتفاق کر لیتے ہیں تو ان کی رائے قطعی طور پر حجت تسلیم کی جائے گی۔ امام ابو حاتم الرازی فرماتے ہیں: "واتفاق أهل الحديث على شئ يكون حجة" یعنی محدثین کا کسی مسئلے میں اتفاق کر لینا حجت ہوتا ہے۔

(دیکھئے کتاب المراسیل ص:١٩٢)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "إذا اجتمع أهل الحديث على تصحيح حديث لم يكن إلا صدقاً" یعنی جب تمام محدثین کسی حدیث کے صحیح ہونے پر اتفاق کر لیں تو ان کا موقف صدق (سچ) ہی ہوتا ہے۔ دیکھئے مجموع فتاویٰ (١/١٠)

2 اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے افراد جو حقیقتِ حال سے واقف ہوں اور امت

مسلمہ کے ہاں ان کی اپنی عدالت بھی ثابت ہو، وہ کسی دوسرے پر جرح بھی کر سکتے ہیں اور توثیق بھی۔

3 اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظیم منقبت کا ثبوت ہے، کیوں کہ وہ سچے مسلمان تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی گواہی کے پیشِ نظر ایک میت کو جنت کی خوشخبری دی، جبکہ دوسری کو جہنم کی وعید سنائی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ ﴾[۲/ البقرة: ۲۸۲] یعنی جن گواہوں سے تم راضی ہو، اور ہم اہلِ ایمان کی گواہی پر راضی ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ الٰہ العالمین! ہمیں انہی کے گروہ میں اٹھانا، آمین۔

4 کسی شرعی ضرورت کے کے تحت زندہ یا فوت شدہ آدمی پر جرح کی جا سکتی ہے، جبکہ کسی شرعی ضرورت کے بغیر ایسا کرنا جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ، فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوا إِلَى مَا قَدَّمُوا)) ''مردوں کو برا بھلا مت کہو، کیوں کہ انہوں نے جو اعمال کیے ہیں ان کا بدلہ پا لیا ہے۔'' (صحیح البخاري: ۱۳۹۳)

5 اس واقعہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دینی تعلیم میں رغبت کی دلیل بھی واضح ہے، انہیں دنیا و آخرت کی مفید معلومات حاصل کرتے ہوئے ذرا بھی تأمل نہیں ہوتا تھا۔

6 اس روایت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ نمازِ جنازہ امت کے ہر فرد کے لیے فرض نہیں، کیوں کہ روایت میں یہ نہیں ہے کہ جس آدمی کے بارے میں اچھی رائے کا اظہار کیا گیا تھا نبی کریم ﷺ نے اس کا جنازہ بھی پڑھا تھا، لہٰذا نمازِ جنازہ فرضِ عین نہیں بلکہ فرضِ کفایہ ہے۔

7 سامعین کے سامنے بات کو بھی تکرار کے ساتھ بیان کیا جا سکتا ہے، تا کہ وہ اچھی طرح یاد کر سکیں، خاص طور پر جب بات نہایت اہم ہو، یا کوئی شرعی ضرورت اس بات کے یاد کرنے کی متقاضی ہو۔



تذکرۃ الراوی

حافظ ندیم ظہیر

مبارک بن حسان السلمی جرح وتعدیل کے تناظر میں

الحمدللہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الأمین،
أما بعد!

مبارک بن حسان السلمی البصری المکی کتب ستہ میں سے سنن ابن ماجہ کے راوی ہیں اورابو یونس کی کنیت سے معروف ہیں۔

سنن ابن ماجہ میں ان کی دو(۲۷۱۰، ۲۹۳۹) حدیثیں ہیں۔عام طور پر انھیں مختلف فیہ راوی شمار کیا جاتا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ ثقہ وصدوق راوی ہیں جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

معدلین اوران کی تعدیل

① امام یعقوب بن سفیان الفسوی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۷ھ) نے فرمایا:"مبارك بن حسان وھو ثقة" (المعرفة والتاريخ: ۲/ ۱۹۹)

② امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۳ھ) نے فرمایا:"ثقة"
(تاریخ یحییٰ بن معین ۲/ ۵٤۸، روایة الدوری)

③ امام ابن حبان رحمہ اللہ (متوفی ۳۵۴ھ) نے کتاب الثقات(۷/ ۵۰۱) میں نقل کر کے فرمایا:"یخطئ ویخالف"

④ امام ابن شاہین رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۵ھ) نے فرمایا:"ثقة"
(تاریخ أسماء الثقات: ۱٤۳۸)

⑤ امام حاکم نیشا پوری رحمہ اللہ (متوفی ۴۰۵ھ) نے ان کی حدیث کو "صحیح الإسناد" قرار دیا ہے۔ دیکھئے المستدرك (۱/ ۵٤۳)

⑥ امام عبدالحق الاشبیلی رحمہ اللہ (متوفی ۵۸۱ھ) نے فرمایا: "مبارك بن حسان ثقة مشهور" (الأحكام الكبرى ٣/ ٤٩٦)

⑦ امام ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی المقدسی القیسرانی رحمہ اللہ (۵۰۷ھ) نے فرمایا: "ومبارك هذا لم يتكلم فيه المتقدمون" یعنی متقدمین میں سے کسی نے ان پر کوئی کلام نہیں کیا۔ (ذخيرة الحفاظ ٢/ ٧٤٥) نیز فرمایا: "والمبارك هذا لم يذكر في الضعفاء" مبارک کو ضعیف راویوں میں شمار نہیں کیا گیا۔
(ذخيرة الحفاظ ٣/ ١٧١٤)

⑧ حافظ ضیاء الدین المقدسی رحمہ اللہ (متوفی ۶۴۳ھ) نے بھی تصحیح حدیث کی ہے۔
(دیکھئے المختاره: ١١/ ٢١٧)

⑨ علامہ بوصیری رحمہ اللہ (متوفی ۸۴۰ھ) نے مبارک بن حسان کی حدیث کے بعد فرمایا: "هذا إسناد رواته ثقات" (اتحاف الخيره المهرة ٦/ ٣٤٢)

جمہور محدثین کی توثیق کے بعد مبارک بن حسان پر جرح سے متعلق چند باتیں قابل ذکر ہیں:

☆ ان پر بعض جرح غیر ثابت ہے۔

☆ بعض متاخرین ومعاصرین نے امام ابوداود، امام نسائی اور ازدی کے محض اقوال نقل کیے ہیں، لہٰذا انھیں جارحین میں شمار نہیں کیا، مثلاً: ابن الملقن
دیکھئے البدرالمنير (٦/١٧٧)

جارحین اور ان کی جرح

① امام ابوداود رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۵ھ) نے فرمایا: "منكر الحديث"
(اكمال تهذيب الكمال ١١/ ٥٧)

یہ جرح مردود ہے کیونکہ اس جرح کے راوی ابوعبید الآجری کی توثیق نامعلوم ہے۔

تنبیہ: میں نے "سؤالات أبي عبيد الأجري للإمام أبي داود سليمان بن الأشعث السجستاني" کے دو نسخے دیکھے ہیں، مجھے ان میں مبارک بن حسان کا ترجمہ ہی نہیں ملا، یعنی یہ ابوعبید (مجہول) کی طرف بھی محض منسوب ہے۔ واللہ اعلم



② امام ابوعبدالرحمٰن النسائی رحمہ اللہ (متوفی ۳۰۳ھ) نے فرمایا: "لیس بالقوی"
(میزان الاعتدال للذھبی ٤/ ٥١٢)

یہ قول امام نسائی رحمہ اللہ سے باسند صحیح ثابت نہ ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

③ امام بیہقی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۸ھ) نے فرمایا: "ضعیف"
دیکھئے شعب الایمان (۱۲/ ٤٩) الدعوات الکبیر (۲/ ۳۲۱)

☆ حافظ عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۷ھ) نے فرمایا: "قال الأزدي: متروك الحديث لا يحتج به يرمي بالكذب"
(الضعفاء والمتروکون ۳/ ۳۲)

حافظ ابن الجوزی کی جرح کی بنیاد الازدی ہے جو کہ خود مختلف فیہ بلکہ ضعیف ہے۔ دیکھئے تاریخ بغداد للخطیب (۳/ ۳٦، ۳۷ت ۷۰۹ ومیزان الاعتدال (۵۲۳/۳)) وغیرہ، نیز امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: "اس کی کتاب "الضعفاء" میں مؤاخذات ہیں کیونکہ ایک جماعت کو اس نے بغیر دلیل کے ضعیف قرار دیا ہے۔" (سیر أعلام النبلاء ١٦/ ٣٤٨)
مبارک بن حسان (ثقہ عند الجمہور) امام ذہبی کی مذکورہ عبارت کے بالکل صحیح مصداق ہیں جنھیں متروک بنا دیا گیا ہے!!!

④ امام ذہبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۸ھ) نے فرمایا: "مبارك واه"

(تلخيص المستدرك: ١/ ٥٤٣)

⑤ حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) نے فرمایا: "لين الحديث"

(تقريب التهذيب: ٦٣٦٠)

☆ حافظ ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا: "يخطئ يخالف" (كتاب الثقات: ٧/ ٥٠١)

☆ امام ابن عدی رحمہ اللہ (متوفی ۳٦۵ھ) نے فرمایا: "ومبارك بن حسان هذا قدروی أشياء غير محفوظة" (الكامل في ضعفاء الرجال: ٩/ ٤٩٥)

قارئین کرام: مبارک بن حسان کی جمہور محدثین نے توثیق کر رکھی ہے اور جمہور کے مقابلے میں صرف امام بیہقی، حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ کی جرح ثابت ہے جو

یقیناً لائق التفات نہیں، نیز حافظ ابن حبان اور امام ابن عدی کے کلام کا دو طرح سے جواب ہے:

اولاً: جمہور کی توثیق کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ اسی لیے امام ابوالفضل المقدسی رحمہ اللہ نے ”الکامل فی ضعفاء الرجال“ سے مبارک بن حسان کی دونوں روایتیں نقل کرنے کے بعد بالترتیب فرمایا: ”ومبارك هذا لم يتكلم فيه المتقدمون“ (ذخیرة الحفاظ ٢/ ٧٤٥)

”والمبارك هذا لم يذكر فى الضعفاء“ (٣/ ١٧١٤)

ثانیاً: جن روایات میں محدثین کرام خطا کی صراحت کر دیں انھیں چھوڑ دیں، علاوہ ازیں یہ ثقہ وصدوق اور قابلِ حجت ہیں، لیکن پہلا جواب ہی راجح ہے۔ واضح رہے کہ جب راوی ثقہ ثابت ہو جائے تو ”یخطئ ویخالف“ وغیرہ کی کوئی حیثیت نہیں رہتی، کیونکہ خطا سے کون محفوظ ہے؟ نیز جب ثقہ راوی کی خطا دلائل سے معلوم ہو جائے تو محض اس خطا کو ترک کیا جاتا ہے نہ کہ ثقہ راوی کو ہی متروک قرار دیا جاتا ہے۔

خلاصۃ التحقیق: مبارک بن حسان ثقہ عندالجمہور اور صحیح الحدیث ہیں۔

تنبیہ: ممکن ہے کوئی یہ اعتراض کرے کہ مبارک بن حسان کو محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے بھی سنن ابن ماجہ کی تحقیق میں ضعیف قرار دیا ہے تو عرض ہے کہ راقم الحروف استاذ محترم رحمه الله رحمةً واسعةً ہی کے علم وفنون سے خوشہ چین ہے اور انھی کے منہج کے مطابق یہ تحقیق پیش کی ہے۔ ہم نے ابھی تک استاذ محترم رحمہ اللہ سے بڑھ کر رجوع الی الحق کرنے والا کسی کو نہیں پایا اور یہی ہمارے اسلاف کا طریقہ تھا جس پر گامزن رہنے کے لیے ہم بھی کوشاں ہیں، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔



حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

انوار السنن فی تحقیق آثار السنن

(۲۹)

۳۵٤) وَ عَنْ نَافِعِ بْنِ مَحْمُوْدِ بْنِ رَبِيْعِ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ اَبْطَأَ عُبَادَةُ عَنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ فَأَقَامَ أَبُوْ نُعَيْمِ الْمُؤَذِّنُ الصَّلٰوةَ فَيُصَلِّيْ أَبُوْ نُعَيْمٍ بِالنَّاسِ وَ أَقْبَلَ عُبَادَةُ وَ أَنَا مَعَهُ حَتّٰى صَفَفْنَا خَلْفَ أَبِيْ نُعَيْمٍ وَّ أَبُوْ نُعَيْمٍ يَّجْهَرُ بِالْقِرَاءَ ةِ فَجَعَلَ عُبَادَةُ يَقْرَأُ بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْتُ لِعُبَادَةَ سَمِعْتُكَ تَقْرَأُ بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ وَ أَبُوْ نُعَيْمٍ يَّجْهَرُ قَالَ أَجَلْ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بَعْضَ الصَّلَوَاتِ الَّتِيْ يُجْهَرُ فِيْهَا الْقِرَاءَ ةُ قَالَ فَالْتُبِسَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَ ةُ فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ ((هَلْ تَقْرَءُ وْنَ إِذَا جَهَرْتُ بِالْقِرَاءَ ةِ فَقَالَ بَعْضُنَا إِنَّا لَنَصْنَعُ ذٰلِكَ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا وَ أَنَا أَقُوْلُ مَالِيْ يُنَازِعُنِى الْقُرْاٰنَ فَلَا تَقْرَءُ وْا بِشَيْءٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ إِذَا جَهَرْتُ إِلاَّ بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ۔)) رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ الْبُخَارِيُّ فِيْ جُزْءِ الْقِرَاءَ ةِ وَ خَلْقِ أَفْعَالِ الْعِبَادِ وَ اٰخَرُوْنَ وَ فِيْهِ مَسْتُوْرٌ۔ قَالَ النِّيْمَوِيُّ إِنَّ حَدِيْثَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ فِى الْتِبَاسِ الْقِرَاءَ ةِ قَدْرُوِيَ بِوُجُوْهٍ كُلُّهَا ضَعِيْفَةٌ۔

اور نافع بن محمود بن ربیع الانصاری (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ (ایک دن) عبادہ (رضی اللہ عنہ) صبح کی نماز سے لیٹ ہو گئے تو ابونعیم المؤذن نے اقامت کروا دی، پھر ابونعیم لوگوں کو نماز پڑھانے لگے (پھر) میں اور عبادہ (رضی اللہ عنہ) آئے حتیٰ کہ ہم ابونعیم کے پیچھے صف میں (کھڑے) ہو گئے، ابونعیم جہری قراءت کر رہے تھے، پھر عبادہ (رضی اللہ عنہ) سورۂ فاتحہ پڑھنے لگے، پھر جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے عبادہ (رضی اللہ عنہ) سے کہا: میں نے آپ کو سورۂ

فاتحہ پڑھتے ہوئے سنا ہے اور ابونعیم جہراً پڑھ رہے تھے؟ انھوں نے فرمایا: جی ہاں! ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بعض نمازوں میں سے وہ نماز پڑھائی تھی جس میں جہراً قراءت کی جاتی ہے، پھر آپ پر قراءت خلط ملط ہوگئی، پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف چہرۂ مبارک کر کے فرمایا: ''کیا تم اس وقت پڑھتے ہو جب میں جہراً قراءت کرتا ہوں؟'' ہم میں سے بعض نے کہا: بے شک ہم ایسا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''ایسا نہ کرو اور میں بھی کہوں کہ میرے ساتھ کیوں قرآن میں کھینچا تانی ہو رہی ہے، پس قرآن میں سے کچھ بھی نہ پڑھو جب میں جہر سے پڑھ رہا ہوتا ہوں، سوائے سورۂ فاتحہ کے۔''

اسے ابوداود (۸۲۴) نسائی (۲/۱۴۱ ح ۹۲۱) اور بخاری نے جزء القراءۃ (۳۳) اور خلق افعال العباد (ص ۱۰۲ وفی نسخة ص :۱۷۹) میں اور دوسروں نے روایت کیا ہے اور اس میں مستور (راوی) ہے۔

نیموی نے کہا: قراءت کے خلط ملط ہونے کے بارے میں عبادہ بن الصامت (رضی اللہ عنہ) کی حدیث دوسری سندوں سے بھی مروی ہے جو کہ ساری کی ساری ضعیف ہے۔

انوارالسنن: اس کی سند حسن لذاتہ ہے۔

نافع بن محمود تک سند صحیح ہے اور نافع رحمہ اللہ سے دو ثقہ راوی (مکحول اور حرام بن حکیم) روایت بیان کرتے ہیں، لہٰذا اُن کی جہالت عین ختم ہوگئی۔ ایک مجہول راوی ابو عائشہ الاموی سے دو ثقہ راوی (مکحول و خالد بن معدان) روایت بیان کرتے ہیں جس کی وجہ سے نیموی صاحب نے کہا: " فارتفعت الجهالة برواية الاثنين عنه " ان سے دو راویوں کی وجہ سے جہالت ختم ہوگئی۔

(التعليق الحسن ص۴۹۷ تحت ح ۹۹۴)

رہ گئی جہالتِ حال (جسے مستور ہونا کہتے ہیں) تو یہ بھی جمہور کی توثیق کی وجہ سے ختم ہے: نافع بن محمود کو ابن حبان، دارقطنی، بیہقی، ابن حزم، حاکم اور ذہبی نے ثقہ قرار دیا ہے۔

دیکھئے میری کتاب "الكواكب الدرية في وجوب الفاتحة خلف

الإمام في الصلوة الجهرية" (ص ٥٠ تا ٥٥)

جمہور کی اس توثیق کے مقابلے میں طحاوی، ابن عبدالبر، ابن مندہ، ابن قدامہ اور ابن حجر کا انھیں مجہول ومستور وغیرہ کہنا مردود ہے۔ جس راوی کی توثیق ثابت ہو جائے تو اسے مجہول ، لا یعرف یا مستور وغیرہ کہنے سے کچھ نقصان نہیں ہوتا بلکہ وہ راوی صحیح الحدیث یا حسن الحدیث ہی رہتا ہے۔

نیموی صاحب نے یہاں اس حدیث میں حافظ ابن حبان کو متساہل قرار دیا ہے۔
(التعليق الحسن ص ١٦٣)

نیموی صاحب کی ہی مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

١ مقاتل بن بشیر کو (میرے علم کے مطابق) صرف ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "لا يعرف" (ميزان الاعتدال ٤/١٧١)

لیکن نیموی صاحب مقاتل بن بشیر کی بیان کردہ روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:
"و إسناده صحيح" (آثار السنن : ٦٨٢ و عن عائشة)

٢ سعید بن زیاد المؤذن ایک راوی ہے جسے (میرے علم کے مطابق) صرف حافظ ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے لیکن نیموی صاحب اس کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: "و إسناده صحيح" (آثار السنن : ١٣١ و عن ابن أبي مليكة إلخ)

اس طرح کی اور بھی مثالیں ہیں۔

نیموی صاحب نے امام دارقطنی رحمہ اللہ کو بھی نشانہ بنانے کی کوشش کی ہے جس کا جواب یہ ہے کہ نافع بن محمود کی توثیق میں امام دارقطنی متفرد نہیں بلکہ ابن حبان، بیہقی، ابن حزم، حاکم اور ذہبی بھی ان کے ساتھ اس میں شامل ہیں۔

خلاصۃ التحقیق یہ کہ نافع بن محمود جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ، صحیح الحدیث وحسن الحدیث ہیں، لہٰذا ان کی بیان کردہ یہ حدیث حسن لذاتہ ہے اور امام مکحول کی حدیث کا بہترین شاہد ہے جس سے وہ بھی صحیح ہو جاتی ہے۔ والحمد للہ

۲: حدیث نافع بن محمود تو حسن لذاتہ ہے۔

عمرو بن سعد (ثقہ) نے عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده (یعنی شعیب: عبداللہ بن عمرو بن العاص) کی سند سے جو حدیث بیان کی ہے وہ بھی حسن لذاتہ ہے۔

نیموی نے بعض لوگوں کے اقوال کی وجہ سے عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده کے سلسلہ پر طعن کیا ہے جس کا جواب درج ذیل ہے:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ائمۂ اسلام اور جمہور علماء عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده کی روایت کو حجت سمجھتے ہیں، بشرطیکہ عمرو تک سند صحیح ہو۔
(مجموع فتاویٰ ج۱۸ ص۸)

حافظ ابن القیم نے کہا: اور جمہور اُن سے حجت پکڑتے ہیں۔
(تهذيب السنن ٦/٣٧٤)

منذری نے کہا: جمہور ان کی عن أبیه عن جده والی روایت کو حجت سمجھتے ہیں۔
(الترغيب والترهيب ٤/٥٧٦)

زیلعی حنفی نے کہا: اور اکثر لوگ عمرو بن شعیب کی حدیث کو حجت سمجھتے ہیں۔
(نصرب الراية ١/٥٨)

محمد یوسف بنوری دیوبندی نے کہا: اکثر محدثین اسے حجت سمجھتے ہیں اور یہی صحیح مختار ہے۔ (معارف السنن ٣/ ٣١٥)

تقریباً ایسی ہی بات عبدالرشید نعمانی دیوبندی نے کتاب: ابن ماجہ اور علم حدیث (ص۱۴۱) میں کہی ہے۔

شیخ الاسلام بلقینی رحمہ اللہ نے اس سند کی توثیق پر ایک خاص کتاب "بذل الناقد ......الخ" لکھی ہے اور فرمایا: اور صحیح وہی ہے جس کے جمہور محدثین قائل ہیں کہ اس کی حدیث حجت ہے۔ (محاسن الاصطلاح شرح مقدمة ابن الصلاح ص٤٨١)

معلوم ہوا کہ اس سلسلے پر نیموی صاحب کی جرح باطل و مردود ہے۔

نیموی صاحب نے لکھا ہے: صحابہ کی ایک جماعت مثلاً علی بن ابی طالب، عبداللہ بن

مسعود، جابر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن مغفل اور زید بن ثابت (رضی اللہ عنہم) کا اتفاق ہے کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت نہیں کرنی چاہیے۔
(التعلیق الحسن ص ١٦٦، ١٦٧)

نیموی صاحب کا یہ بیان جھوٹ اور افتراء پر مبنی ہے اور انھوں نے اس پر کوئی دلیل پیش نہیں کی بلکہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "إقراء خلف الإمام بفاتحة الکتاب" امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھ۔
(مصنف ابن أبي شيبة ١/ ٣٧٤ ح ٣٧٧٣، کتاب القراء ة للبيهقي: وقال:" إسماعيل بن أبي خالد صرح بالسماع والسند صحيح)

یہ صحیح و ثابت قول سری و جہری دونوں نمازوں کو شامل ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے الکواکب الدریہ (ص ٢٧)

٣٥٥) وَ عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم صَلّٰى بِأَصْحَابِهٖ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ أَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ: ((أَتَقْرَءُ وْنَ فِيْ صَلٰوتِكُمْ خَلْفَ الْإِمَامِ وَ الْإِمَامُ يَقْرَأُ)) فَسَكَتُوْا فَقَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ قَائِلٌ أَوْ قَائِلُوْنَ إِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ: ((فَلَا تَفْعَلُوْا وَلْيَقْرَأْ أَحَدُكُمْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِيْ نَفْسِهٖ.)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ جُزْءِ الْقِرَاءَ ةِ وَ اٰخَرُوْنَ وَ اَعَلَّهُ الْبَيْهَقِيُّ بِأَنَّ هٰذِهِ الطَّرِيْقَ غَيْرُ مَحْفُوْظَةٍ۔

اور ابو قلابہ (عبد اللہ بن زید الجرمی رحمہ اللہ، تابعی) سے روایت ہے کہ انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو نماز پڑھائی، پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو اُن کی طرف چہرہ مبارک کر کے فرمایا: ''جب امام قراءت کر رہا ہوتا ہے تو کیا تم نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو؟'' تو لوگ خاموش رہے۔ آپ نے (یہ بات) تین دفعہ فرمائی تو ایک آدمی یا کئی آدمیوں نے کہا: بلاشبہ ہم ایسا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''ایسا نہ کرو اور تم میں سے ہر آدمی کو چاہیے کہ اپنے دل میں سورۂ فاتحہ پڑھے۔''

اسے بخاری نے جزء القراءۃ (٦٧) میں اور دوسروں نے روایت کیا ہے اور بیہقی (٢/١٦٦) نے اسے معلول قرار دیا ہے کہ یہ سند محفوظ نہیں ہے۔

انوارالسنن: اس کی سند صحیح ہے۔

اس روایت کے سارے راوی ثقہ ہیں، مثلاً عبیداللہ بن عمرو الرقی ثقہ ہیں اور ان پر بعض کی جرح جمہور کی توثیق کے مقابلے میں مردود و باطل ہے۔

[خود نیموی نے عبیداللہ بن عمرو کی بیان کردہ حدیث کو " إسناده صحيح" قرار دیا ہے۔ (آثار السنن: ٩٤٠)]

یہ سند متصل ہے اور اس میں کوئی علت بھی نہیں، مگر نیموی صاحب کو یہاں امام بیہقی یاد آ گئے ہیں۔

یہاں پر بطورِ شکایت عرض ہے کہ جس روایت کو تمام محدثین بالاتفاق وہم و خطا قرار دیں تو نیموی صاحب وہاں " مجرد طعن لا دليل عليه "اور"تحكم جدًا" کا فتویٰ لگا دیتے ہیں اور جس روایت میں محدثین کا اختلاف ہے، مثلاً بیہقی نے جرح کی اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا تو وہاں ابن حبان کی تحقیق کو چھوڑ کر بیہقی کے قول سے استدلال شروع کر دیتے ہیں، حالانکہ بہترین طریقہ صرف یہ تھا کہ جس پر محدثین کا اتفاق ہے اسے لازم پکڑتے اور جس میں اختلاف ہے تو اس میں اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کی طرف رجوع کرتے مگر کیا کیا جائے تقلید نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ روایتِ مذکورہ میں امام بیہقی کا قول کئی وجہ سے غلط و مردود ہے:

١ اصولِ حدیث و اسماء الرجال کے خلاف ہے۔

٢ حافظ ابن حبان اور جمہور کی تصحیح کے خلاف ہے۔ حافظ ابن حبان نے اس روایت کو محفوظ قرار دیا ہے۔

٣ امام بخاری کے خلاف ہے۔ خود امام بیہقی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

"احتج به البخاري" (كتاب القراءت ص٧٢)

④ بیہقی نے کتاب القراءت میں اس حدیث سے استدلال کر کے اپنی جرح سے رجوع کرلیا ہے۔

⑤ اس سند میں کوئی علتِ قادحہ موجود نہیں ہے۔

(٣٥٦) وَ عَنْهُ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ أَبِيْ عَائِشَةَ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُ وْنَ وَ الْإِمَامُ يَقْرَأُ)) مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ: ((لَا تَفْعَلُوْا إِلاَّ أَنْ يَّقْرَأَ أَحَدُكُمْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ.)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ اٰخَرُوْنَ وَ إِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ۔

اور انھی (امام ابو قلابہ رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ محمد ابی عائشہ نے نبی ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''شاید تم قراءت کرتے ہو جب امام قراءت کرتا ہے؟'' آپ نے یہ بات دو یا تین دفعہ فرمائی۔ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! بے شک ہم ایسا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''ایسا نہ کرو مگر یہ کہ تم میں سے ہر آدمی سورۂ فاتحہ پڑھے۔''

اسے احمد (٥/ ٦٠) اور دوسروں نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

انوار السنن: اس کی سند صحیح ہے۔

امام بیہقی نے یہ حدیث بیان کر کے فرمایا: ''هذا إسناد صحيح ''

(معرفة السنن والآثار قلمي ١/٢٥٦)

ابن خزیمہ نے اس کے ساتھ حجت پکڑی اور حافظ ابن حجر نے کہا: ''إسناده حسن''

اس حدیث کو قابلِ اعتماد اماموں میں سے کسی نے بھی ضعیف قرار نہیں دیا بلکہ حافظ ابن حبان نے اسے محفوظ قرار دیا ہے۔

محمد بن ابی عائشہ تابعی تک تو سند بالکل صحیح ہے۔ انھوں نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، ابو سلمہ بن عبد الرحمن، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور اس صحابی سے روایت کی ہے جنھوں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔ دیکھئے تهذيب الكمال (١٦/٣٩٢)

ابو سلمہ تابعی ہیں اور باقی تینوں صحابی ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ محمد بن ابی عائشہ کی زیادہ روایتیں صحابہ سے ہیں۔ محمد بن ابی عائشہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۳/۵۸۸)

اور وہ مدلس بھی نہیں ہیں، لہٰذا اُن کی نامعلوم صحابی سے عن والی روایت بھی صحیح متصل ہے اور سماع پر محمول ہے۔

خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے ایک حدیث کے بارے میں لکھا ہے: ''امت کا اس پر اجماع ہے کہ سارے صحابہ عدول ہیں، لہٰذا اُن کا حال معلوم نہ ہونا مضر نہیں، پس بنوعبدالاشہل کی ایک عورت نے جو روایت بیان کی ہے۔ اُس میں کلام کی کوئی مجال نہیں ہے۔'' (بذل المجھود ۳/۱۳۳)

نیموی صاحب نے یہاں غیر مدلس ثقہ تابعی کی عن والی روایت پر جرح کردی ہے مگر اسی کتاب میں عروہ بن الزبیر (ثقہ غیر مدلس تابعی) کی امرأۃ من بنی النجار سے عن والی روایت سے استدلال کیا ہے اور حافظ ابن حجر کا قول ''اسنادہ حسن'' بطورِ حجت نقل کیا ہے۔ (آثار السنن: ۲۶۳)

معلوم ہوا کہ نیموی صاحب کسی اصول کے پابند نہیں، بلکہ اصول کو پسِ پشت پھینکتے ہوئے مرضی والی احادیث کو حسن وصحیح اور مرضی کے خلاف احادیث کو ضعیف، شاذ ومضطرب وغیرہ کہتے پھرتے ہیں۔ سبحان اللہ!

۳۵۷) وَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ((مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً لَّمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَيْرُ تَمَامٍ)) فَقِيْلَ لِأَبِيْ هُرَيْرَةَ إِنَّا نَكُوْنُ وَرَاءَ الْإِمَامِ فَقَالَ اقْرَأْبِهَا فِي نَفْسِكَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: ((قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: قَسَمْتُ الصَّلٰوةَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ وَ لِعَبْدِيْ مَاسَأَلَ فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ وَ إِذَا قَالَ: ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ قَالَ: أَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ وَ إِذَا قَالَ ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ قَالَ: مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ وَ

إِذَا قَالَ: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ قَالَ: هٰذَا بَيْنِيْ وَ بَيْنَ عَبْدِيْ وَ لِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ وَ إِذَا قَالَ: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾ قَالَ: هَذَا لِعَبْدِيْ وَ لِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ)) ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو آدمی ایسی نماز پڑھے جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو وہ خداج (ناقص یعنی باطل) ہے پوری نہیں۔'' یہ بات آپ نے تین دفعہ فرمائی، پھر ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے کہا گیا: ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: اپنے دل میں (یعنی سراً، خفیہ آواز کے ساتھ) اسے پڑھ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنے اور بندے کے درمیان نماز آدھی آدھی تقسیم کر دی ہے اور بندہ جو مانگے گا اسے ملے گا۔

پھر جب بندہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری حمد بیان کی ۔ اور جب وہ ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کہتا ہے تو وہ (اللہ) فرماتا ہے: میرے بندے نے میری ثنا بیان کی، اور جب وہ (بندہ) ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کہتا ہے تو وہ (اللہ) فرماتا ہے: میرے بندے نے میری تمجید (بزرگی) بیان کی۔

جب وہ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ کہتا ہے تو (اللہ) فرماتا ہے: یہ میرے اور بندے کے درمیان ہے اور بندہ جو مانگے گا اُسے ملے گا۔ جب وہ ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے: یہ میرے بندے کے لیے ہے اور بندہ جو مانگے گا اسے ملے گا۔''

اسے مسلم (۳۹۵) نے روایت کیا ہے۔

انوار السنن:

۱: معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ ہی حمد، ثنا اور تمجید ہے۔ والحمد للہ

۲: یہ حدیث پر مختصراً پہلے بھی گزر چکی ہے۔ دیکھئے رقم: ۳۴۸

۳۵۸) وَ عَنْهُ قَالَ إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ فَاقْرَأْبِهَا وَ اسْبِقْهُ فَإِنَّهٗ إِذَا قَالَ: ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ اٰمِيْنَ مَنْ وَّافَقَ ذٰلِكَ قَمِنٌ أَنْ يُّسْتَجَابَ بِهِمْ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ جُزْءِ الْقِرَاءَ ةِ وَ إِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔ قَالَ النِّيْمَوِيُّ وَ فِی الْبَابِ اٰثَارٌ أُخَرُ عَنِ الصَّحَابَةِ۔

اور انھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ جب امام سورۂ فاتحہ پڑھے تو تم بھی اسے (سورۂ فاتحہ کو) پڑھو اور امام سے پہلے ختم کرلو کیونکہ جب وہ ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہتا ہے (تو) فرشتے آمین کہتے ہیں، جس کی اس کے ساتھ موافقت ہوگئی تو اس کے زیادہ لائق ہے کہ ان کی دعا قبول کی جائے۔

اسے بخاری نے جزء القراءة (۱۵۳) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

نیموی نے کہا: اس باب میں صحابہ کرام سے دوسری روایات بھی ہیں۔

انوار السنن: اس کی سند صحیح ہے۔

اس اثر سے ثابت ہوا کہ امام کے پیچھے جہری و سری سب نمازوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے بلکہ ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ کے شاگرد نے پوچھا: میں امام کی قراءت سن رہا ہوتا ہوں؟ تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنے دل میں اسے پڑھ۔

مسند الحمیدی (۹۸۰)

یہاں پر نیموی صاحب نے ایک نیا شوشہ چھوڑ دیا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث: ((إنما جعل الإمام ليؤتم به)) کے خلاف ہے۔
(التعلیق الحسن ص ۱۷۰)

مؤدبانہ عرض ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ ((إنما جعل الإمام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه)) ''امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہٰذا اُس پر اختلاف نہ کرو۔'' (صحيح البخاري: ۷۲۴، صحيح مسلم: ۴۱۴)

جب سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود اس حدیث کے راوی ہیں تو یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ وہ

اپنی سنی ہوئی حدیث کی خود مخالفت کریں؟ صحابی کو آلِ تقلید کا اپنے آپ پر قیاس کرنا صحیح نہیں بلکہ غلط ہے۔((إنما جعل الإمام لیؤتم به))کا مطلب خود پوری حدیث سے ثابت ہے کہ امام سے پہلے رکوع ، رکوع سے قیام ، سجود اور سجود سے قیام نہیں کرنا چاہیے اور اسی طرح تکبیر تحریمہ اور سلام پھیرنے والے افعال میں امام سے مسابقت نہیں کرنی چاہیے۔ رہا مسئلہ دل میں پڑھنا تو اس میں امام سے مسابقت کسی حدیث یا کسی اثر میں منع نہیں کیا گیا بلکہ کیا خیال ہے اگر امام آہستہ آہستہ تشہد، درود اور دعا پڑھتا ہو اور مقتدی پہلے ہی تشہد اور درود و دعا ختم کرے تو کیا اس میں بھی امام کی مخالفت ہے؟

صحابیٔ رسول کو حدیث کا مخالف قرار دینے سے یہ بہتر ہے کہ ہم کہہ دیں: ''نیموی صاحب حدیث کے مخالف ہیں۔'' اس طرح سے کوئی فرق نہیں پڑے گا اور صحابیٔ رسول کی عزت و ناموس بھی محفوظ رہے گی۔

دوسرے آثار کے سلسلے میں نیموی صاحب نے جو تحقیقاتی مظاہرے کئے ہیں اُن کا مختصر رد و تعارف درج ذیل ہے:

۱:     سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کے راوی جواب التیمی پر نیموی صاحب نے ابن نمیر وغیرہ کے اقوال سے استدلال کرتے ہوئے جرح کر دی ہے حالانکہ جواب مذکور کو ابن معین، ابن حبان، دارقطنی، یعقوب بن سفیان الفارسی، حاکم، ذہبی اور جمہور نے ثقہ قرار دیا ہے، ایسے راوی کی روایت حسن کے درجے سے کبھی نہیں گرتی اور دوسرے یہ کہ ثقہ امام ابراہیم بن محمد بن المنتشر نے ان کی متابعت تامہ کر رکھی ہے، لہٰذا اس اثر کی سند صحیح ہے جیسا کہ حاکم، ذہبی اور دارقطنی نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور نیموی کا اس پر جرح کرنا باطل ہے۔

۲:     نیموی نے کہا: ''اور ابو المغیرہ کو میں نہیں جانتا''

عرض ہے کہ وہ عبداللہ بن ابی الهذیل ہیں۔

دیکھئے ابکار المنن للعلامة عبد الرحمٰن المباركفوري رحمه الله (ص ۱۵۰)

۳:     نیموی نے کہا: ''اور ابو سنان کو میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے''

عرض ہے کہ وہ ضرار بن مرہ الکوفی ہیں۔ دیکھئے ابکار المنن (ص ۱۵۰)

۴: نیموی نے کہا: ''اس میں سفیان بن حسین ہیں جو زہری سے روایت میں ضعیف ہیں۔

عرض ہے کہ معمر بن راشد نے ان کی متابعت کر رکھی ہے۔

دیکھئے التعلیق الحسن (ص ۱۷۱)

لہٰذا سفیان بن حسین پر اعتراض فضول ہے۔

۵: نیموی صاحب نے سعید بن عامر پر جرح کر دی۔

عرض ہے کہ سعید بن عامر کو امام ابن معین اور جمہور محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے، لہٰذا ان کی روایت صحیح لذاتہ یا کم از کم حسن لذاتہ کے درجے سے نہیں گرتی۔

۶: جس اثر میں آیا ہے کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں بھی قراءت نہیں کرنی چاہیے، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں بھی جہراً قراءت نہیں کرنی چاہیے، اِلا یہ کہ امام بھول جائے تو اسے لقمہ دینا جائز ہے۔

۷: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول: اگر مجھے اُن پر اختیار ہوتا تو میں اُن کی زبانیں کھینچ لیتا، کا مطلب صرف یہ ہے کہ جو لوگ امام کے پیچھے جہراً (اونچی آواز کے ساتھ) قراءت کرتے ہیں، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اُن کا رد فرما رہے ہیں ورنہ خود ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فاتحہ خلف الامام کا حکم ثابت ہے، جیسا کہ حدیث نمبر ۱۷۳ کے تحت آ رہا ہے۔

۸: فاتحہ خلف الامام کے بارے میں بہت سی حدیثیں صحیح ثابت ہیں مثلاً:

(۱) مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادة (۲) نافع بن محمود عن عبادة (۳) عبید اللّٰہ بن عمرو الرقی عن أیوب عن أبي قلابة عن أنس (٤) محمد بن أبي عائشة عن رجل من أصحاب النبي (۵) عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده۔

نیموی صاحب کے استاذ عبدالحیٔ لکھنوی صاحب لکھتے ہیں: ''هم یرد في حدیث

مرفوع صحيح النهى عن قراء ة الفاتحة خلف الإمام و كل ما ذكروه مرفوعًا فيه إما لا أصل له و إما لا يصح" کسی مرفوع صحیح حدیث میں فاتحہ خلف الامام کی ممانعت نہیں آئی اور جو کچھ مرفوع میں سے یہ لوگ بیان کرتے ہیں تو اس کی کوئی اصل نہیں یا وہ صحیح نہیں ہے۔ (التعليق الممجد ص ١٠١ حاشية:١)

سیدنا معاویہ بن الحکم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی قراءت خلف الامام کا جواز ثابت ہے۔
دیکھئے صحیح مسلم (٥٣٧)

ان کے علاوہ دوسری مرفوع احادیث بھی ہیں، مثلاً دیکھئے میری کتابیں :
الكواكب الدرية اورنصر الباري في تحقيق جزء القراء ة للبخاري۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہم صحابہ سے فاتحہ خلف الامام قولاً وفعلاً ثابت ہے۔ دیکھئے الكواكب الدرية

۹: ابونضرہ تابعی سے روایت ہے کہ میں نے سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قراءت کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: سورۂ فاتحہ (جزء القراء ة: ١٢)
اس کے بارے میں نیموی صاحب نے لکھا ہے: "إسناده حسن"

(التعليق الحسن ص ١٧٢)

۱۰: سیدنا ابن عمر (صوابہ: ابن عمرو بن العاص) رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ آپ امام کے پیچھے ظہر کی نماز میں سورۂ مریم پڑھتے تھے۔ اس روایت کے بارے میں نیموی صاحب نے فرمایا: " إسناده صحيح " (التعليق الحسن ص ١٧٢)

عرض ہے کہ جب امام کے پیچھے سورۂ مریم پڑھنا جائز ہے تو سورۂ فاتحہ پڑھنا کیوں جائز نہیں؟ جس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔''

۱۱: نیموی صاحب نے اس روایت کو بھی حسن قرار دیا ہے جس میں آیا ہے کہ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے ظہر وعصر کی نمازوں میں سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔ الخ

اب ہم مسئلے کی مناسبت سے فاتحہ خلف الامام کے عام وخاص دلائل تفصیل کے ساتھ بیان کررہے ہیں۔

1 قَالَ اللہ تَبَارَکَ وَ تَعَالیٰ: ﴿وَ لَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ﴾

''اور ہم نے آپ (ﷺ) کو سات دہرائی جانے والی آیتیں اور قرآن عظیم عطا کیا۔'' [۱۵/الحجر:۸۷]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سورۂ فاتحہ ہی سات دہرائی جانے والی آیتیں ہیں۔''

[صحیح بخاری: ٤٧٠٤]

مفسر قرآن قتادہ بن دعامہ (تابعی رحمہ اللہ) نے کہا:

"فَاتِحَةُ الْكِتَابِ تُثْنٰی فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ مَّكْتُوْبَةٍ أَوْ تَطَوُّعٍ"

فرض (نماز) ہو یا نفل، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ دہرائی جاتی ہے۔ [تفسیر عبدالرزاق: ١٤٥٦ ، تفسیر ابن جریر الطبری: ج١٤ ص ٣٩ و سندہ صحیح]

2 قَالَ اللہُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾

''اور قرآن سے جو میسر ہو پڑھو۔'' [۷۳/المزمل:۲۰]

اس آیت کریمہ سے ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص حنفی (احکام القرآن: ج۵ ص ۳۶۷) اور ملا ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی (الہدایہ اولین: ج۱ ص ۹۸ باب صفۃ الصلوٰۃ) وغیرہما نے نماز میں قراءت کی فرضیت پر استدلال کیا ہے۔ نصر بن محمد السمرقندی الحنفی (متوفی ۳۷۵ھ) نے لکھا ہے:

" فِيْ صَلَاةِ اللَّيْلِ وَيُقَالُ: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ فِيْ جَمِيْعِ الصَّلَوَاتِ"

اس سے رات کی نماز مراد ہے اور کہا جاتا ہے کہ قرآن میں سے جو میسر ہو اسے تمام نمازوں میں پڑھو۔ [تفسیر سمرقندی: ۳/۴۱۸]

﴿مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ط﴾ سے مراد سورۂ فاتحہ ہے۔ جیسا کہ سنن ابی داؤد (ح ۸۵۹ حسن) وغیرہ سے ثابت ہے۔

ابوبکر الجصاص (متوفی ۳۷۰ھ) کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

"وَكَانَ يَمِيْلُ إِلَى الاِعْتِزَالِ وَ فِيْ تَصَانِيْفِهٖ مَا يَدُلُّ عَلٰى ذٰلِكَ فِيْ مَسْأَلَةِ الرُّؤْيَةِ وَغَيْرِهَا۔"

یہ معتزلہ کی طرف مائل تھا۔ اس کی کتابوں میں جو کچھ ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ (مثلاً دیکھئے) مسئلہ رؤیت (باری تعالیٰ کو دیکھنا) وغیرہ۔

[تاریخ الاسلام للذہبی: ج۲۶ ص ۴۳۲]

یعنی یہ شخص معتزلی تھا۔ ڈاکٹر محمد حسین الذہبی نے لکھا ہے:

"هٰذَا وَ قَدْ ذَكَرَهُ الْمَنْصُوْرُ بِاللّٰهِ فِيْ طَبَقَاتِ الْمُعْتَزِلَةِ وَسَيَأْتِيْكَ فِيْ تَفْسِيْرِهٖ مَا يُؤَيِّدُ هٰذَا الْقَوْلَ۔"

اسے منصور باللہ نے طبقات المعتزلہ میں ذکر کیا ہے اور اس کی تفسیر میں آپ اس قول کی تائید پائیں گے۔ [التفسیر و المفسرون: ج۲ ص۴۳۸]

3 قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾

"اور انسان کے لیے وہی ہے جس کی وہ کوشش کرے۔" [۵۳/النجم:۳۹]

4 قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى: ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً﴾

"اور عاجزی و خوف کے ساتھ اپنے دل میں اپنے رب کا ذکر کر۔"

[۷/الاعراف:۲۰۵]

اس کی تشریح میں حافظ ابن حزم اندلسی (متوفی ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

"وَلَيْسَ فِيْهَا إِلَّا الأَمْرُ بِالذِّكْرِ سِرًّا وَتَرْكُ الْجَهْرِ فَقَطْ."

اور اس میں صرف اس بات کا حکم ہے کہ سراً (خفیہ) ذکر کیا جائے اور جہر ترک کر دیا جائے۔ [المحلیٰ: ج۳ ص۲۳۹ مسئلۃ: ۳۶۰]

تفصیل کے لیے دیکھئے توضیح الکلام (ج ۱ ص ۱۰۲۔۱۱۸)

5 قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾

''(جب وہ قرآن سنتے ہیں تو) کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، پس ہمیں گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ دے۔''

[۵/المآئدۃ:۸۳]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو کتاب و سنت کے مطابق ضروری کلام کیا جا سکتا ہے۔

6 قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿ وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴾

''اور جب ان پر (قرآن) پڑھا (یعنی انھیں سنایا) جاتا ہے تو کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لائے یقیناً یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے، بے شک ہم پہلے ہی سے ہی مسلمان ہیں۔'' [۲۸/القصص:۵۳]

7 وَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴾

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال باطل (ضائع) نہ کرو۔'' [۴۷/محمد:۳۳]

8 قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ ﴾

''اور رسول تمھیں جو دے وہ لے لو اور جس (چیز) سے وہ منع کرے اس سے رک جاؤ۔'' [۵۹/الحشر:۷]

9 وَ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى: ﴿ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾

''اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن) اتارا ہے، تاکہ آپ لوگوں کے

لیےاس کا بیان (تشریح) کریں جو ان کے لیے نازل کیا گیا ہے۔‘‘

[۱۶/النحل:۴۴]

احادیث مرفوعہ

❶ سیّدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ))

’’اس کی نماز نہیں (ہوتی) جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے۔‘‘[جزء القراءة ح :۲، صحیح البخاری :۷۵۶۔ صحیح مسلم :۳۴۔۳۹۴/۳۶ ۔ترقیم دارالسلام: ۸۷۴۔۸۷۶]

❷ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً وَلَمْ يَقْرَأْبِأُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِيَ خِدَاجٌ، ثَلَاثًا:غَيْرُ تَمَامٍ))

جوشخص نماز پڑھے اور (اس میں) سورۂ فاتحہ نہ پڑھے وہ (نماز) ناقص (یعنی باطل) ہے۔‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین دفعہ فرمائی: مکمل نہیں ہے۔

[جزء القراءة:۱۱، صحیح مسلم:۳۹۵۔ دارالسلام:۸۷۸]

❸ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُلُّ صَلَاةٍ لَا يُقْرَأُ فِيْهَا بِأُمِّ الْكِتَابِ فَهِيَ خِدَاجٌ))

’’ہر نماز جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے۔‘‘

[سنن ابن ماجه: ۸٤۰۔احمد ٦/۲۷٥ ح ۲٦۸۸۸]

❹ سیّدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُلُّ صَلٰوةٍ لَا يُقْرَأُ فِيهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَهِيَ خِدَاجٌ))

’’ہر نماز جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے۔‘‘

[جزء القراءة:١٤ ـ ابن ماجه :٨٤١]

5 سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ))

''جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔''

[کتاب القراءة للبیهقی: ص ٥٠ ح ١٠٠ و سنده صحیح]

6 سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا صَلٰوةَ إِلَّا بِقِرَاءَةٍ))

''قراءت کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔''

[صحیح مسلم:٣٩٦ ۔ جزء القراءة:١٥٣]

7 سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فِيْ كُلِّ صَلٰوةٍ يُقْرَأُ)) ''ہر نماز میں قراءت کی جاتی ہے۔''

[جزء القراءة:١٣، صحیح البخاری :٧٧٢۔ صحیح مسلم:٣٩٦]

8 سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِقْرَءُ وْا ......)) ''تم سب قراءت کرو۔''

[جزء القراءة:٧٣، ابوداؤد:٨٢١ و سنده صحیح]

9 ایک بدری صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تکبیر کہہ، پھر قراءت کر، پھر رکوع کر۔''

[جزء القراءة:١٠٣ وهو صحیح]

خاص دلائل

1 سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (مقتدیوں کو) فرمایا:

((فَلَا تَفْعَلُوْا وَلْيَقْرَأْ أَحَدُكُمْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِيْ نَفْسِهٖ))

''پس ایسا نہ کرو اور تم میں سے ہر آدمی سورۂ فاتحہ اپنے دل میں (سراً) خاموشی سے پڑھے۔'' [جزء القراءة : ٢٥٥، ابن حبان: ٤٥٨، ٤٥٩

والكواكب الدريه ص ١٩ وهو صحيح]

فقیر اللہ المتخصص " الاثری" الدیوبندی، نام کا ایک متروک الحدیث شخص الکواکب الدریہ کا رد کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جزء القراءۃ میں: عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو ذکر کیا ہے۔ عن انس کی حدیث کو ذکر ہی نہیں کیا تو اس سے حجت کیسے پکڑی؟" [رسالہ فاتحہ خلف الامام علی زئی کا رد: ص ۱۳]

فقیر اللہ مذکور کو میرے شاگرد ابو ثاقب محمد صفدر بن غلام سرور الحضروی نے اس سلسلے میں (٦ مارچ ٢٠٠٠ء کو) ایک خط لکھا تھا جس کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی ہی میں عافیت سمجھی۔ اس خط کی نقل رجسٹری محفوظ ہے۔ والحمد للہ

(رجسٹری نمبر ۱۱۲۹، پوسٹ آفس حضرو)

2 ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (مقتدیوں کو) فرمایا:

((فَلاَ تَفْعَلُوْا إِلَّآ أَنْ يَّقْرَأَ أَحَدُكُمْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِيْ نَفْسِهٖ))

"پس ایسا نہ کرو مگر یہ کہ تم میں سے ہر آدمی سورۂ فاتحہ اپنے دل میں (سراً) پڑھے۔" [جزء القراءۃ: ٦٧ والکواکب الدریہ: ص ٢٩ وھو صحیح]

3 نافع بن محمود (تابعی رحمہ اللہ) عبادہ بن الصامت (صحابی) رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مقتدیوں کو) فرمایا:

((لَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ فَإِنَّهٗ لَاصَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْبِهَا))

"سورۂ فاتحہ کے سوا کچھ بھی نہ پڑھو، کیونکہ جو (سورۂ فاتحہ) نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔" [كتاب القراءة للبيهقي :ص٦٤ ح١٢١ و سنده حسن، و صححه البيهقي]

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((لَا يَقْرَأَنَّ أَحَدٌ مِّنْكُمْ إِذَا جَهَرْتُ بِالْقِرَاءَةِ إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ))

''جب میں جہر کے ساتھ قراءت کر رہا ہوتا ہوں تو تم میں سے کوئی شخص بھی سورۂ فاتحہ کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھے۔''

[سنن النسائی:۹۲۱، جزء القراءة:٦٥۔الکواکب الدریه :ص ۲۹]

(یاد رہے کہ) نَافِعُ بْنُ مَحْمُوْدٍ: ثِقَةٌ وَثَّقَهُ الْجُمْهُوْرُ۔(نافع بن محمود ثقہ ہیں، انہیں جمہور محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے)

4 سیّدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مقتدیوں سے) فرمایا:

((فَلَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ)) ''سورۂ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھو۔''

[جزء القراءة:٦٣ والکواکب الدریه: ص ۳۵ و سنده حسن]

5 محمد بن اسحاق عن مکحول عن محمود بن الربیع (رضی اللہ عنہ) عن عبادہ (رضی اللہ عنہ) کی سند سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مقتدیوں کو) فرمایا:

((فَلَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ فَإِنَّهٗ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِهَا))

''سورۂ فاتحہ کے علاوہ کچھ بھی نہ پڑھو۔ جو اسے نہ پڑھے یقیناً اس کی نماز نہیں ہوتی۔'' [جزء القراءة: ۲۵۷ والکواکب الدریه :ص ٤١]

محمد بن اسحاق حسن الحدیث، وثقہ الجمہور ہیں۔ ان کی متابعت علاء بن الحارث نے کی ہے۔[دیکھئے کتاب القراءة للبیهقی ص ٦٢ ح١١٥، والکواکب الدریه :ص ٤٦]

مکحول کا مدلس ہونا ثابت نہیں ہے۔

[دیکھئے طبقات المدلسین بتحقیقی :ص ۱۲۷]

انہیں صرف ابن حبان اور ذہبی نے مدلس قرار دیا ہے۔ یہ دونوں ارسال کو بھی تدلیس سمجھتے ہیں۔[دیکھئے الثقات لابن حبان: ٦/٩٨، الموقظة للذهبی: ص ٤٧، میزان الاعتدال: ٢/٣٢٦]

لہٰذا جب تک کوئی دوسرا محدث ان کی متابعت نہ کرے یا واضح دلیل نہ ہو صرف ان کا

مدلس قرار دینا کافی نہیں ہے۔

6 معاویہ بن الحکم السلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے (جو کہ مقتدی تھے) فرمایا:

((إِنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ لَا يَصْلُحُ فِيْهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ، إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيْحُ وَالتَّكْبِيْرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ))

''اس نماز میں لوگوں کی باتوں میں سے کوئی چیز جائز نہیں ہے، یہ تو تسبیح، تکبیر اور قراءتِ قرآن (کا نام) ہے۔'' [صحیح مسلم:٥٣٧، جزء القراءة: ٦٩، ٧٠و الکواکب الدریه: ص ٤٩]

جس طرح مقتدی تسبیح و تکبیر کہتا ہے اسی طرح وہ (سورۂ فاتحہ کی) قراءتِ قرآن کرتا ہے۔

7 سیّدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سکتوں میں) خاموش ہوتے تو وہ آپ کے پیچھے (فاتحہ کی) قراءت کرتے تھے اور جب آپ پڑھ رہے ہوتے تو وہ قراءت نہ کرتے۔ [کتاب القراءة للبیهقی :ص ١٢٦ ح٣٠١ و سنده حسن، الکواکب الدریه :ص ٤٨]

8 سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ ثُمَّ ارْكَعْ))

''جب نماز کی اقامت ہو جائے تو تکبیر کہہ، پھر (فاتحہ کی) قراءت کر، پھر (امام کے ساتھ) رکوع کر۔'' [جزء القراءة :١١٣ و سنده صحیح]

9 سیّدنا رفاعہ بن رافع الزرقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَا تَيَسَّرَ ثُمَّ ارْكَعْ))

''جب نماز کی اقامت ہو جائے تو تکبیر کہہ، پھر سورۂ فاتحہ پڑھ اور جو میسر ہو،

پھر رکوع کرے۔" [شرح السنه للبغوی : ج۳ ص۱۰ ح ٥٥٤ و قال:
هذا حديث حسن]

یہاں "وَمَا تَيَسَّرَ" کا تعلق سری نمازوں سے ہے نہ کہ جہری نمازوں سے۔ دیکھئے حدیث سابق: ۳۔ واضح رہے کہ سری نمازوں میں بھی وَمَا تَيَسَّرَ واجب نہیں ہے۔ دیکھئے جزء القراءۃ: ۸

آثار صحابہ

1. سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قراءت خلف الامام کے بارے میں فرمایا:
"ہاں (پڑھو)...... اگرچہ میں پڑھ رہا ہوں۔"

[جزء القراء ة:٥١ وهو صحيح]

2. سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فاتحہ خلف الامام کے بارے میں فرمایا:
"اِقْرَأْ بِهَا فِيْ نَفْسِكَ"
اسے (فاتحہ کو) اپنے دل میں (سراً) پڑھو۔

[جزء القراء ة:١١ و صحيح مسلم :٣٩٥]

اور فرمایا:
"إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ فَاقْرَأْ بِهَا وَاسْبِقْهُ"
جب امام سورۂ فاتحہ پڑھے تو، تُو بھی اسے پڑھ اور اس سے پہلے ختم کرلے۔

[جزء القراء ة:٢٨٣ و سنده صحيح]

ایک روایت میں ہے کہ سائل نے پوچھا:
جب امام جہری قراءت کر رہا ہو تو میں کیا کروں؟ تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
"اِقْرَأْ بِهَا فِيْ نَفْسِكَ"
اسے اپنے دل میں (سراً) پڑھو۔

[جزء القراء ة :٧٣و سنده حسن وهو صحيح بالشوا هد]

3 سیّدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے قراءت خلف الامام کے بارے میں فرمایا:
"بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ" سورۂ فاتحہ (پڑھ)

[جزء القراءة:١٠٥، ١١ و سنده حسن، الكواكب الدرية: ص ٦٩، ٦٨]

4 سیّدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد فرمایا:
"أَجَلْ إِنَّهُ لَا صَلٰوةَ إِلَّا بِهَا"
جی ہاں، اس (فاتحہ) کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

[مصنف ابن ابی شيبة: ١/٣٧٥ ح ٣٧٧٠ و سنده صحيح]

مزید آثارِ عبادہ رضی اللہ عنہ کے لیے دیکھئے جزء القراءۃ: ۶۵ وغیرہ۔
سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے:
"یہ بالکل صحیح بات ہے کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک و مذہب تھا۔"

[احسن الكلام: ٢/١٤٢ والكواكب الدريه: ص ١٣]

بعض دیوبندیوں کو عبادہ رضی اللہ عنہ اور محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ پر فاتحہ خلف الامام کی وجہ سے بہت غصہ ہے۔ اس کی چند دلیلیں درج ذیل ہیں:
۱: حسین احمد مدنی ٹانڈوی دیوبندی نے کہا:
"یہ کہ اس کو عبادہ بن الصامت معنعناً ذکر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ مدلس ہیں اور مدلس کا عنعنہ معتبر نہیں"

[توضیح ترمذی: ص ۴۳۶ طبع مدنی مشن بک ڈپو، مدنی نگر، کلکتہ ۵۱، ہندوستان]

مزید کہا: "کیونکہ بعض کے راوی عبادہ ہیں جو مدلس ہیں۔" [ایضاً: ص ۴۳۷]
حالانکہ عبادہ رضی اللہ عنہ مشہور بدری صحابی ہیں اور صحابہ کو مدلس قرار دینا انتہائی غلط اور باطل ہے۔ یاد رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرسل روایات بھی مقبول و حجت ہیں۔
۲: محمد حسین نیلوی دیوبندی مماتی نے لکھا ہے:

''ابو نعیم حضرت محمود بن ربیع کی کنیت ہے''

[اعدل الکلام: ص ۲۹ طبع گلستان ج ۵ شمارہ ۱۲]

مزید کہا: ''یاد رہے کہ حضرت ابو نعیم محمود بن ربیع مدلس ہیں......'' [ایضاً: ص ۲۳]

۳: ماسٹر امین اوکاڑوی نے کہا: ''اور یہ عبادہ مجہول الحال ہے (میزان الاعتدال)''
(تجلیات صفدر مطبوعہ اشاعۃ العلوم الحنفیۃ فیصل آباد ج ۳ ص ۱۵۲ و جزء القراءۃ بحاشیہ امین اوکاڑوی ص ۱۳۱ تحت ح: ۱۵۰) یاد رہے کہ سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں میزان الاعتدال کا حوالہ اوکاڑوی صاحب کا سیاہ جھوٹ ہے۔ میزان الاعتدال میں سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے بارے میں مجہول الحال کا کوئی فتویٰ موجود نہیں ہے۔ والحمد للہ

5 سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اِقْرَأْ خَلْفَ الْإِمَامِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ''

امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھ۔ [مصنف ابن ابی شیبة: ج ۱ ص ۳۷۵ ح ۳۷۷۳ وهو صحيح۔ الكواكب الدرية: ص ۷۰، ۷۱]

6 سیّدنا انس رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ اور (سری نماز میں) ایک سورت پڑھنے کے قائل تھے۔ ثابت بن اسلم البنانی (تابعی) کہتے ہیں:

''كَانَ يَأْمُرُنَا بِالْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ''

آپ ہمیں قراءت (فاتحہ) خلف الامام کا حکم دیتے تھے۔ [کتاب القراءة للبیهقی: ص ۱۰۱ ح ۲۳۱ والكواكب الدرية: ص ۷۳ و سنده حسن]

7 سیّدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے [ظہر و عصر میں] (سورۂ مریم کی) قراءت کرتے تھے۔

[جزء القراءة: ٦٠ وغیرہ ۔ والكواكب الدريه: ص ٧٤، ٧٥]

8 جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''كُنَّا نَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ

الْأُوْلَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَةٍ وَفِى الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ"

ہم ظہر و عصر کی نمازوں میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور (کوئی) ایک سورت اور دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔

[ابن ماجه :۸٤۳ و سنده صحيح، و صححه البو صيرى]

9 سیّدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے (سورۂ فاتحہ) پڑھتے تھے۔ [جزء القراء ة: ٥٢ وهو حسن۔ الكواكب الدريه: ص ۷٥،۷٦]

ان کے علاوہ دیگر آثار کے لیے کتاب القراء ة للبیهقی وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

آثار التابعین

1 سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال: ''کیا میں امام کے پیچھے قراءت کروں؟'' کا جواب دیا کہ ''جی ہاں اور اگرچہ تو اس کی قراءت سن رہا ہو۔''

[جزء القراء ة:۲۷۳ و سنده حسن]

ایک اور روایت میں فرمایا: "لَابُدَّأَنْ تَقْرَأَبِأُمِّ الْقُرْاٰنِ مَعَ الْإِمَامِ"

یہ ضروری ہے کہ تو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھے۔ [مصنف عبدالرزاق: ۲/۱۳۳ ح ۲۷۸۹ و توضيح الكلام: ج۱ ص ۵۳۰ وكتاب القراء ت للبيهقى : ۲۳۷، صرح عبدالرزاق بالسماع عنده]

2 حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اِقْرَأْ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيْ كُلِّ صَلٰوةٍ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِيْ نَفْسِكَ"

امام کے پیچھے ہر نماز میں، سورۂ فاتحہ اپنے دل میں (سراً) پڑھ۔ [كتاب القراء ة للبيهقى: ص ۱۰۵ ح ۲٤۲ والسنن الكبرىٰ له: ۱۷۱/۲ و سنده صحيح، توضيح الكلام: ۱/۵۳۸، مصنف

ابن ابی شیبة ۱ر ۳۷٤ ح ۳۷٦۲]

3 عامر الشعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اِقْرَأْ خَلْفَ الْإِمَامِ فِی الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُوْرَةٍ وَ فِی الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ"

ظہر وعصر میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ اور (کوئی) ایک سورت پڑھ اور آخری دو رکعتوں میں (صرف) سورۂ فاتحہ پڑھ۔ [مصنف ابن ابی شیبہ: ج۱ ص ۳۷٤ ح ۳۷٦٤ و سندہ صحیح]

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ امام کے پیچھے قراءت کو اچھا سمجھتے تھے۔

[مصنف ابن ابی شیبہ : ج۱ ص ۳۷۵ ح ۳۷۷۲ و سندہ صحیح]

4 عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ رحمۃ اللہ علیہ امام کے پیچھے (فاتحہ کی) قراءت کرتے تھے۔

[مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۳۷۳ ح ۳۷۵۰ و سندہ صحیح]

5 ابوالملیح اسامہ بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ، امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔

[مصنف ابن ابی شیبہ :۱/۳۷۵ ح ۳۷٦۸ و سندہ صحیح وجزء القراءۃ:٤٦]

6 حکم بن عتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"جس نماز میں امام بلند آواز سے نہیں پڑھتا اس کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور (کوئی) ایک سورت پڑھ اور آخری دو رکعتوں میں (صرف) سورۂ فاتحہ پڑھ۔" [مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/ ۳۷٤ ح ۳۷٦٦ و سندہ صحیح، توضیح الکلام: ج۱ ص ۵۵۵]

7 عروہ بن الزبیر رحمۃ اللہ علیہ امام کے پیچھے سری نمازوں میں (فاتحہ اور مازاد علی الفاتحہ) پڑھتے تھے۔ [موطا امام مالک :۱/۸۵ ح ۱۸٦ و سندہ صحیح]

8 قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ امام کے پیچھے غیر جہری (یعنی سری) نمازوں میں (فاتحہ اور مازاد علی الفاتحہ) پڑھتے تھے۔ [موطا مالک: ۱/۸۵ ح ۱۸۷ وسندہ صحیح]

9 نافع بن جبیر بن مطعم رحمۃ اللہ علیہ امام کے پیچھے سری نمازوں میں (فاتحہ اور مازاد علی الفاتحہ) پڑھتے تھے۔ [موطا مالك: ١/٨٥ ح ١٨٧ وسنده صحيح]

تنبیہ: بریکٹوں میں فاتحہ اور مازاد علی الفاتحہ کی صراحت دوسرے دلائل سے کی گئی ہے۔

آثار العلماء

1 امام محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۸ھ) سکتاتِ امام میں فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ دیکھئے الاوسط لابن المنذر (ج ۳ ص ۱۱۰، ۱۱۱)

2 امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔ [دیکھئے حاشیہ جزء القراءۃ: ۶۶ و کتاب القراءۃ للبیہقی: ۲۴۷ وسندہ صحیح، وتوضیح الکلام: ج ۱ ص ۵۵۶]

3 امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"کسی آدمی کی نماز جائز نہیں ہے جب تک وہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھ لے۔ چاہے وہ امام ہو یا مقتدی، امام جہری قراءت کر رہا ہو یا سری، مقتدی پر یہ لازم ہے کہ سری اور جہری (دونوں نمازوں) میں سورۂ فاتحہ پڑھے"۔

[حاشية جزء القراء ة: ٢٢٦ و معرفة السنن والآثار للبيهقي: ج٢ ص ٥٨ ح ٩٢٨ و سنده صحيح]

اس قول کے راوی ربیع بن سلیمان المرادی نے کہا:

"یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا آخری قول ہے جو ان سے سنا گیا" (ایضاً)

اس آخری قول کے مقابلے میں کتاب الأم وغیرہ کے کسی مجمل و مبہم قول کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ اسے اس صریح نص کی وجہ سے منسوخ سمجھا جائے گا۔

4 امام عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ قراءت خلف الامام کے قائل تھے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"يَرَوْنَ الْقِرَاءَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ"

وہ (یعنی ابن المبارک......وغیرہ) قراءت خلف الامام کے قائل تھے۔

[سنن الترمذی :ح ۳۱۱ باب ماجاء فی القراء ۃ خلف الامام]

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العلل (طبع دارالسلام ص ۸۸۹) میں وہ صحیح سندیں ذکر کر دی ہیں جن کے ذریعے سے امام عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی اقوال ان تک پہنچے تھے۔ ان میں سے ایک سند بھی ضعیف نہیں ہے۔

5 امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ بھی قراءت خلف الامام کے قائل تھے۔

[سنن الترمذی: ح ۳۱۱ و کتاب العلل :ص ۸۸۹ ب]

6 امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی جہری وسری نمازوں میں (فاتحہ کی) قراءت خلف الامام کے قائل تھے، جس پر یہ کتاب "جزء القراء ۃ" اور صحیح البخاری (بَابُ وُجُوْبِ الْقِرَاءَ ۃِ لِلْأِ مَامِ وَالْمَأْمُوْمِ فِی الصَّلَوَاتِ کُلِّھَا فِی الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ وَمَا یُجْھَرُ فِیْھَا وَمَا یُخَافَتُ :ح ۷۵۵) گواہ ہیں۔

7 امام الائمہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ النیسابوری (متوفی ۳۱۱ھ) بھی جہری نمازوں میں قراءت خلف الامام کے قائل تھے۔ [دیکھئے صحیح ابن خزیمہ :ج ۳ ص ۳۶ باب القراء ۃ خلف الامام و ان جھر الامام بالقراء ۃ قبل :ح ۱۵۸۱]

8 امام ابن حبان البستی رحمۃ اللہ علیہ بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ [دیکھئے صحیح ابن حبان ،الاحسان :ج ۳ ص ۱۴۲ قبل:ح ۱۷۹۱ باب ذکر الزجر عن ترک قراء ۃ فاتحۃ الکتاب للمصلی فی صلاتہٖ مأ موماً کان أو إماماً أو منفرداً]

9 امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ بھی قراءت خلف الامام کے قائل تھے۔ جس پر ان کی "کتاب القراءت خلف الامام" اور السنن الکبریٰ ومعرفۃ السنن والآثار، وغیرہ بہترین گواہ ہیں۔

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ قراءت (فاتحہ) خلف الامام کا ثبوت (۱) رسول اللہ ﷺ (۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (۳) تابعین عظام رحمہم اللہ (۴) اور قابلِ اعتماد ائمہ اسلام سے قولاً وفعلاً ثابت ہے، لہٰذا یہ قول وعمل نہ قرآن کے خلاف ہے اور نہ حدیث کے اور نہ اجماع

کے۔والحمدللّٰہ

جن روایات میں قراءت سے منع کیا گیا ہے اور انصات کا حکم دیا گیا ہے ان کا صحیح مطلب صرف یہ ہے کہ

۱: امام کے پیچھے اونچی آواز سے نہ پڑھا جائے۔(لقمہ دینا اس سے مستثنیٰ ہے)

۲: جہری نمازوں میں سورۂ فاتحہ سے زیادہ نہ پڑھا جائے۔(تکبیر تحریمہ، تعوذ قبل الفاتحہ تسمیہ قبل الفاتحہ اور لقمہ دینا اس سے مستثنیٰ ہے)

اس تطبیق وتوفیق سے تمام دلائل پر عمل ہو جاتا ہے اور کوئی تعارض باقی نہیں رہتا اور یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہ راستہ انتہائی پسندیدہ راستہ ہے جس پر چلتے ہوئے قرآن و حدیث، اجماع واور آثار سلف سب پر عمل ہو جائے اور کسی قسم کا تعارض اور ٹکراؤ باقی نہ رہے۔ جو لوگ دلائل شرعیہ کو آپس میں ٹکرا دیتے ہیں ان کی یہ حرکت انتہائی قابل مذمت ہے۔

امام ابن عبدالبر (متوفی ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

”وَقَدْ أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّ مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَصَلَاتُهُ تَامَّةٌ وَلَا إِعَادَةَ عَلَيْهِ“

اور یقیناً علماء کا اجماع ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے (سورۂ فاتحہ) پڑھتا ہے، اس کی نماز مکمل ہے اور اس پر کوئی اعادہ نہیں ہے۔

[الاستذکار: ۲/۱۹۳ ۔الکواکب الدریہ: ص ۵۲]

مولوی عبدالحئ لکھنوی حنفی نے صاف صاف لکھا ہے:

”لَمْ يَرِدْ فِيْ حَدِيْثٍ مَرْفُوْعٍ صَحِيْحٍ: النَّهْيُ عَنْ قِرَاءَ ةِ الْفَاتِحَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ وَكُلُّ مَاذَكَرُوْهُ مَرْفُوْعًا فِيْهِ إِمَّا لَا أَصْلَ لَهٗ وَ إِمَّا لَا يَصِحُّ“

کسی مرفوع صحیح حدیث میں فاتحہ خلف الامام کی ممانعت وارد نہیں ہے اور وہ (مخالفین فاتحہ خلف الامام) جو بھی مرفوع احادیث بیان کرتے ہیں وہ صحیح نہیں

ہیں یا ان کی کوئی اصل نہیں۔

[التعلیق الممجد :ص١٠١ حاشیه نمبر١، الکواکب الدرية: ص٥٣]

اتنی مرفوع احادیث صحیحہ اور صحیح و حسن آثار صحابہ کے باوجود یہ پروپیگنڈا کرنا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا قرآن اور حدیث کے خلاف ہے، کیا معنی رکھتا ہے؟

بَابٌ فِيْ تَرْكِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي الْجَهْرِيَّةِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى:

﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾

جہری نماز میں امام کے پیچھے ترک قراءت کا باب۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور خاموش ہو جاؤ تاکہ تم پر رحم کیا جائے''

٣٥٩) عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى قَالَ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَلْيَؤُمَّكُمْ أَحَدُكُمْ وَ إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَانْصِتُوْا:)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ مُسْلِمٌ وَ هُوَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔

ابو موسیٰ (الاشعری) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سکھایا، آپ نے فرمایا: ''جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ تو تم میں سے ایک شخص تمھیں امامت کرائے اور جب امام پڑھے تو خاموش ہو جاؤ۔''

اسے احمد (۴/ ۴۱۵) اور مسلم (۴۰۴) نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

انوار السنن:

یہ حدیث صحیح ہے لیکن اس کا اور آیتِ مذکورہ کا سورۂ فاتحہ سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ امام قرطبی فرماتے ہیں:

اس حدیث کے دو مفہوم ممکن ہو سکتے ہیں:

اول: یہ ما عدا الفاتحۃ یعنی سورۂ فاتحہ کے علاوہ دوسری قراءت کے (نمازِ جہریہ میں) ممنوع ہونے پر محمول ہے اِلا یہ کہ امام و قاری کو لقمہ دیا جائے۔

دوم: یہ حدیث منسوخ ہے۔

منسوخ ہونے کی دلیل کے لئے دیکھئے حدیث: ۳۶۰

اگر بعض لوگ ان کے علاوہ کوئی تیسرا مفہوم نکالتے ہیں تو عرض ہے کہ جب امام قراءت کرتا ہے تو یہ لوگ تکبیر تحریمہ کیوں پڑھتے ہیں؟ بھولنے والے قاری کو لقمہ کیوں دیتے ہیں؟

۳۶۰) وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((اِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَ إِذَا قَرَأَ فَانْصِتُوْا:)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلاَّ التِّرْمِذِيَّ وَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''امام تو اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہٰذا جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش ہو جاؤ۔''

اسے ترمذی کے سوا پانچوں (ابوداود: ۶۰۴، ابن ماجہ: ۸۴۶، نسائی ۲/ ۱۴۱، ۱۴۲ ح ۹۲۲، ۹۲۳، احمد ۲/ ۳۷۶) نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

انوار السنن: یہ حدیث صحیح ہے۔

صحیح اسانید کے ساتھ ثابت ہے کہ اس حدیث کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے (جہری اور سری سب نمازوں میں) سورۂ فاتحہ پڑھنے کا فتویٰ دیتے تھے۔ مثلاً دیکھئے حدیث سابق: ۳۵۷، ۳۵۸

آلِ تقلید کے نزدیک اگر راوی اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دے تو وہ روایت منسوخ ہوتی ہے۔ دیکھئے آثار السنن مع التعلیق ح ۲۰ و توضیح السنن ۱/۱۰۷، عمدۃ القاری للعینی ۳/۴۱، شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/۲۳ وغیرہ۔

راویٔ حدیث سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فتوؤں سے معلوم ہوا کہ ((وَ اِذَا قَرَأَ فَانْصِتُوْا)) والی روایت منسوخ ہے۔

ایک عام مسلمان جسے صحیح حدیث معلوم ہو جائے اور اسے یقین کامل ہو جائے کہ



میرے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے تو وہ کبھی اس کی مخالفت کی کوشش نہیں کرتا اور اگر مخالفت ہو جائے تو وہ اپنے آپ کو غلط اور گناہگار سمجھتا ہے تو سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا خیال ہے کہ وہ نبی ﷺ سے حدیث سن کر اس کی مخالفت کرتے رہتے تھے؟ والعیاذ باللہ

معلوم ہوا کہ ((وَ اِذَا قَرَأَ فَانْصِتُوْا)) ضرور منسوخ تھی ورنہ خود راویٔ حدیث اس کی مخالفت نہ کرتے۔

یہ روایت فقۂ حنفی کی رُو سے تو یقیناً منسوخ ہے اور اگر کوئی شخص اسے منسوخ نہیں سمجھتا اور اسی پر بضد ہے تو عرض ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فتوؤں اور دیگر احادیث صحیحہ کی وجہ سے پھر یہ روایت "ماعدا الفاتحة" پر محمول ہے، لہٰذا سورۂ فاتحہ خلف الامام کے خلاف سے پیش کرنا غلط ہے۔

۳۶۱) وَ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ ابْنِ أُكَيْمَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَاهُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ بِأَصْحَابِهِ صَلٰوةً نَظُنُّ أَنَّهَا الصُّبْحُ فَقَالَ: ((هَلْ قَرَأَ مِنْكُمْ أَحَدٌ؟)) قَالَ رَجُلٌ: أَنَا قَالَ: ((إِنِّيْ أَقُوْلُ مَالِيْ أُنَازَعُ الْقُرْاٰنُ:)) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهَ وَ إِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ۔

اور سفیان بن عیینہ (رحمہ اللہ ثقہ مدلس امام) سے روایت ہے، وہ (ابن شہاب) الزہری (رحمہ اللہ، ثقہ مدلس امام) سے بیان کرتے ہیں وہ ابن اکیمہ سے کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کو ایک نماز پڑھائی، ہمارا خیال ہے کہ وہ صبح کی نماز تھی، پھر آپ نے فرمایا: "وہ کیا تم میں سے کوئی پڑھتا ہے؟" ایک آدمی نے کہا: میں (پڑھتا ہوں) آپ نے فرمایا: "میں کہتا ہوں کہ میرے ساتھ کیوں قرآن میں منازعت ہو رہی ہے۔"

اسے ابن ماجہ (۸۴۸) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

انوار السنن: صحیح ہے۔



۱: ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ ......الخ﴾ بالاجماع مکی آیت ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ اس آیت کے نزول کے بعد بھی صحابہ کرام نماز میں قراءت کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ ......الخ﴾ سے نماز میں قراءت (خلف الامام) ممنوع نہیں ہوئی ورنہ صحابہ کبھی نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت نہ کرتے۔

۲: چونکہ اس صحابی نے اونچی آواز میں قراءت کی تھی جس سے منازعت کا ہونا ضروری تھا۔ اونچی قراءت کے ثبوت کے لئے اس حدیث کے بعد آنے والی دو روایتیں (۳۶۲، ۳۶۳) پڑھ لیں۔ معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے اونچی آواز میں قراءت ممنوع ہے اور ان احادیث کے بعد کسی ایک صحابی سے بھی اس ممانعت کی مخالفت ثابت نہیں ہے۔

تنبیہ: اس روایت کے بعد بعض سندوں میں آیا ہے: پھر لوگ یہ سننے کے بعد جہری نمازوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قراءت سے رک گئے۔

یہ اضافہ باتفاق محدثین مدرج ہے جو کہ ضعیف حدیث کی ایک قسم ہے۔ امام زہری نے بغیر کسی سند کے اسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے جو کہ منقطع ہونے کی وجہ سے بھی ضعیف ومردود ہے۔

اگر یہ اضافہ صحیح ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جہری نمازوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سورۃ الاعلیٰ وغیرہ کی جہری قراءت سے رُک گئے رہا سری نمازوں کا مسئلہ تو اس میں قراءت بالاجماع سری ہے لہٰذا جہر کا یہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر کسی نے سورۃ الاعلیٰ وغیرہ کی قراءت کر دی تو اسے سمجھا دیا گیا، پھر سب رک گئے۔ والحمدللہ

اسے امام ترمذی (۳۱۲) نے حسن قرار دے کر لکھا ہے کہ "وَلَيْسَ فِي الْحَدِيْثِ مَا يَدْخُلُ عَلَى مَنْ رَأَى الْقِرَأَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ لِأَنَّ أَبَاهُرَيْرَةَ هُوَ الَّذِي رَوَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ هَذَا الْحَدِيْثِ وَرَوَى أَبُوْهُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: ((مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ......)) یعنی یہ روایت قراءت (فاتحہ) خلف الامام کو شامل



نہیں کیونکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ''جس نے نماز پڑھی اور اس میں اُم القرآن (فاتحہ) نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے۔

بَابٌ فِيْ تَرْكِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا

امام کے پیچھے ساری نمازوں میں ترکِ قراءت کا باب

۳۶۲) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضي الله عنه أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم صَلَّى الظُّهْرَ فَجَعَلَ رَجُلٌ يَقْرَأُ خَلْفَهُ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى﴾ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: ((أَيُّكُ قَرَأَ أَوْ أَيُّكُمُ الْقَارِئُ)) قَالَ رَجُلٌ: أَنَا فَقَالَ: ((قَدْ ظَنَنْتُ أَنَّ بَعْضَكُمْ خَالَجَنِيْهَا:)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ ظہر پڑھی تو ایک آدمی آپ کے پیچھے (جہر کے ساتھ) ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾ پڑھنے لگے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''کس نے اسے پڑھا ہے یا اسے پڑھنے والا کون ہے؟'' ایک آدمی نے کہا: میں نے پڑھا ہے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ''میں نے گمان کیا کہ تم میں سے کوئی شخص اسے مجھ سے چھین رہا ہے۔''

اسے مسلم (۳۹۸) نے روایت کیا ہے۔

انوار السنن:

اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ فاتحہ خلف الامام بھی جائز نہیں تو یہ باطل استدلال ہے کیونکہ اس حدیث سے محض یہ ثابت ہوتا ہے کہ مقتدی کے لیے نماز میں قراءت بالجہر ممنوع ہے، جیسا کہ علامہ نووی نے حدیثِ مذکورہ پر بایں الفاظ باب قائم کیا ہے: ''بَابُ نَهْيِ الْمَأْمُوْمِ عَنْ جَهْرِهِ بِالْقِرَاءَةِ خَلْفَ إِمَامِهِ'' یعنی مقتدی کو امام کے پیچھے

بلند آواز سے قراءت کرنے کی ممانعت کا بیان۔“

باقی رہا فاتحہ خلف الامام سرًّا پڑھنا تو اس کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے واضح ثبوت ملتا ہے، جیسا کہ سیّدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم امام کے پیچھے ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دوسری کوئی سورت پڑھا کرتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں (صرف) سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔(سنن ابن ماجہ : ٨٤٣ وسندہ حسن)

(ندیم ظہیر)

٣٦٣) وَ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانُوْا يَقْرءُ وْنَ خَلْفَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: ((خَلَطْتُّمْ عَلَيَّ الْقِرَاءَ ةَ.)) رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَ الطَّبْرَانِيُّ وَ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

اور ابوالاحوص (ثقہ تابعی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھتے تھے تو آپ نے فرمایا: ”تم نے مجھ پر قراءت خلط ملط کر دی ہے۔“

اسے طحاوی (١/ ٢١٧) اور طبرانی (؟) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

انوار السنن: اس کی سند ضعیف ہے۔

اسے امام بخاری نے جزء القراء ة (٢٥٤) میں، احمد نے المسند (٤٥١/١ ح٤٣٠٩) میں اور ابو یعلیٰ نے بھی اپنی مسند (٥٣٩٧) میں روایت کیا ہے۔

اس میں ابو اسحاق السبیعی مدلس راوی ہیں۔ (تقدم: ٩٩) اور یہ روایت عن سے ہے۔

نیموی صاحب کو مکحول کی تدلیس تو نظر آ گئی مگر ابو اسحاق کی تدلیس سے کیوں آنکھیں پھیر رہے ہیں؟

٣٦٤) وَ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَ ةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَ ةٌ.)) رَوَاهُ الْحَافِظُ أَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ فِيْ مُسْنَدِهِ وَ

مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِی الْمُؤَطَّا وَ الطَّحَاوِيُّ وَ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ إِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ۔

اور جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اُس کی قراءت ہے۔''

محمد بن الحسن (الشیبانی) نے موطا (ص ۹۶، المنسوب) میں (۲) طحاوی (۱/ ۲۱۷) نے (۳) اور دارقطنی (۱/ ۳۲۳ ح ۱۲۲۰) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

انوار السنن: اس کی سند ضعیف ہے۔

۱ مسند احمد بن منیع تو کہیں نہیں ملی، اس کے بارے میں اللہ ہی جانتا ہے۔ رہی یہ روایت جو بوصیری اور ابن ہمام وغیرہما متاخرین پیش کرتے ہیں تو اس کی سند بھی ضعیف ہے، سفیان ثوری (تقدم: ۲۰۹) اور شریک القاضی (تقدم: ۳۲) دونوں مدلس ہیں اور یہ سند عن سے ہے۔

۲ محمد بن الحسن الشیبانی سخت مجروح راوی ہے۔ دیکھئے حدیث سابق: ۱۶۳

۳ طحاوی والی سند میں قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، لہٰذا یہ سند بھی مردود ہے۔

۴ دارقطنی والی روایت میں دو راوی اس روایت کو موسیٰ بن ابی عائشہ سے بیان کر رہے ہیں:

اول: حسن بن عمارہ (یہ سخت ضعیف و مجروح راوی ہے۔)

دوم: امام ابوحنیفہ

امام ابوحنیفہ کی اس روایت کو محدثین کرام میں سے کسی نے بھی صحیح قرار نہیں دیا بلکہ دارقطنی وغیرہ نے جرح کی ہے۔ دوسرے یہ کہ امام ابوحنیفہ نے اس روایت میں سماع کی تصریح بھی نہیں کی، لہٰذا یہ پتا نہیں کہ انھوں نے یہ حدیث کس سے سنی تھی؟ عین ممکن ہے کہ

حسن بن عمارہ نے انھیں یہ روایت بتائی ہو۔ امام ابوحنیفہ کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ انھوں نے حماد بن ابی سلیمان کی کتابیں محمد بن جابر الیمامی سے لے کر انھیں حماد سے روایت کر دیا تھا۔ دیکھئے الجرح والتعدیل (۸/ ۵۱۴ وسندہ صحیح) اور یہ تدلیس کی ایک قسم ہے۔

نیموی صاحب نے امام دارقطنی رحمہ اللہ کو متقدمین میں سے تسلیم کرنے کے بعد (دیکھئے التعلیق الحسن ص ۱٤۳ تحت حدیث:۳۲۵) یہاں پر امام دارقطنی کے بارے میں سخت زبان استعمال کی ہے لیکن ہم ادب واحترام اور زبردست احتیاط کے ساتھ اُن کی ''نادر تحقیقات'' کا جائزہ لیتے ہیں:

۱: نیموی نے دارقطنی کے قول کو مسند احمد بن منیع کی روایت سے غلط صریح قرار دیا ہے۔

(التعلیق الحسن ص ۱۷۸)

حالانکہ مسند احمد بن منیع کا کوئی نام ونشان دنیا میں موجود نہیں اور نہ کسی ثقہ ومعتبر امام نے اسے اس کتاب سے نقل کیا ہے۔ بوصیری وغیرہ متاخرین کی نقل کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے تحقیقی مقالات ۴/۲۲۷، مسئلہ فاتحہ خلف الامام ص ۱۱۸

۲: نیموی صاحب نے اس حدیث کے ایک راوی پر امام دارقطنی اور امام ابن عدی (وغیرہما) کی جرح کو ''باطل جدًا'' قرار دے کر توثیق کی کچھ روایات پیش کی ہیں جن کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے:

۱۔ محمد بن سعد العوفي يقول: سمعت يحيى بن معين يقول: ''كان ...... ثقة، لا يحدّث الحديث إلا ما يحفظ و لا يحدّث بما لا يحفظ''

(تاريخ بغداد ۱۳/ ٤٤٩، وسنده ضعيف)

اس سند میں سعد العوفی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے اور احمد بن علی بن عمرو بن حبیش الرازی کی توثیق نامعلوم ہے۔

۲۔ حافظ مزی نے کہا: صالح بن محمد الأسدي (جزره) عن ابن معين سے نقل کیا: ...... ثقة فى الحديث۔ (تهذيب الكمال :)

اس کی کوئی متصل سند مجھے نہیں ملی اور ہمارے شیخ امام ابومحمد بدیع الدین شاہ الراشدی السندھی رحمہ اللہ نے فرمایا: "هذا لا يعرف سنده"

(انماء الزكن في تنقيد انهاء السكن ص ٦٦)

٣۔ احمد بن محمد بن القاسم بن محرز سے روایت ہے کہ یحییٰ بن معین نے فرمایا:

"كان ...... لا بأس به ...... عندنا من أهل الصدق ولم يتهم بالكذب "

(تاريخ بغداد ١٣/ ٤٤٩)

احمد بن محمد بن القاسم بن محرز مجہول الحال ہے، اس کی توثیق نہیں ملی اور اس قول کی سند میں احمد بن مسعدہ الفزاری بھی نامعلوم ہے۔

معلوم ہوا کہ امام یحییٰ بن معین سے اس راوی کی توثیق ثابت نہیں، جبکہ جرح ثابت ہے، مثلاً:

ا: ابن ابی مریم نے ابن معین سے نقل کیا: "لا يكتب حديثه"

(الكامل لابن عدي ٧/٤٧٣ وسنده صحيح، تاريخ بغداد ١٣/٤٥٠، المنتظم لابن الجوزي ٨/١٣٤)

٢: ابوالفضل حاتم بن اللیث الجوھری نے امام ابن معین سے طویل کلام نقل کیا جس میں یہ بھی ہے کہ "ولم يكن فى الحديث شيئ" إلخ

(السنة لعبد الله بن أحمد بن حنبل ١/ ٢٢٦ رقم :وسنده صحيح)

نیموی صاحب نے جس راوی کا دفاع ضعیف ومردود روایات سے کرنے کی کوشش کی ہے اس پر امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ایوب السختیانی، امام عبداللہ بن مبارک، امام علی بن المدینی امام عبدالرحمن بن مہدی، امام یحییٰ القطان، امام بخاری، امام مسلم اور جمہور محدثین نے شدید جروح کر رکھی ہیں جن کی تفصیل میری کتاب "الأسانيد الصحيحة في أخبار الإمام أبي حنيفة " میں موجود ہے۔ ایک سو بیس سے زیادہ اماموں اور علماء نے اس راوی پر جرح کی ہے اور یہ جرح صحیح لذاتہ وحسن لذاتہ سندوں

کے ساتھ ثابت ہے، لہٰذا جمہور کی جرح کے مقابلے میں حافظ ابن عبدالبر، حافظ ابن اثیر اور حافظ ذہبی وغیرہ متاخرین کی بات لائق التفات نہیں ہے۔

۳: نیموی صاحب نے ایک عجیب و غریب دعویٰ کر رکھا ہے کہ میزان الاعتدال میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ترجمہ الحاقیہ (یعنی کسی کا اضافہ شدہ) ہے۔

دیکھئے التعلیق الحسن (ص۱۷۹، ۱۸۰)

عرض ہے کہ الحاق کس نے کیا ہے؟ اور کب کیا ہے؟

امام ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) کے تقریباً سو سال بعد فوت ہو جانے والے ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بن الوزیر الیمانی (متوفی ۸۴۰ھ) فرماتے ہیں: "إن الذهبي...... كتاب ميزان الاعتدال...... حتى أنه ذكر سفيان الثوري و أويسًا القرني و جعفر الصادق و يحيى بن معين و أبا حنيفة و علي بن المديني و أمثال هؤلاء......" (الروض الباسم فى الذب عن سنة أبي القاسم ۲/۳۳)

معلوم ہوا کہ حافظ ذہبی کی وفات کے بعد سو سال کے اندر اندر یہ ترجمہ میزان الاعتدال میں موجود تھا، لہٰذا اگر بعد میں کسی شخص نے اسے میزان الاعتدال کے بعض نسخوں سے نکال دیا ہے تو یہ ترجمہ الحاقیہ کس طرح بن گیا؟ دوسرے یہ کہ امام سفیان الثوری اور امام جعفر الصادق جیسے جلیل القدر ائمہ متبوعین (بلکہ بعض صحابہ) کا ذکر اگر میزان الاعتدال میں ہو سکتا ہے تو امام ابوحنیفہ کے ذکر سے کیا مانع ہے؟

حافظ ذہبی کا ائمہ متبوعین کا ذکر نہ کرنا یا تو عموم پر ہے جس سے خصوص ممکن ہے اور امام جعفر الصادق وغیرہ کے سلسلے میں ہوا بھی ہے یا پھر انھوں نے بعض ائمہ کو ذکر کر کے (اگر ممکن ہوا تو) دفاع کیا ہے جس کی طرف اُن کا بقیہ قول اشارہ کرتا ہے۔

خلاصۃ التحقیق: من كان له إمام والی روایت ضعیف ہے اور نیموی صاحب کا اس کو "و إسناده صحيح" قرار دینا نرا تعصب ہے جو کہ اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کے مقابلے میں مردود ہے۔

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

غیر اللہ سے دُعا اور چند قرآنی سوالات (قسط:۲)

سابقہ بحث کو سمجھنے کے لئے ان کے علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کا یہ بیان ملاحظہ کیجئے:

''اولیاء اللہ سے استعانت کی تحقیق: علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں: استعانت میں عموم مراد ہے ہر چیز میں ہم صرف تجھ سے ہی استعانت کرتے ہیں کیونکہ حدیث صحیح میں نبی ﷺ نے حضرت ابن عباس سے فرمایا: ''إذا استعنت فاستعن باللّٰه (جامع ترمذي ص 361) جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے۔

اسی حدیث کی وجہ سے حضرت ابن عباس نے استعانت میں عموم کا قول اختیار کیا ہے، سو جس شخص نے اپنے اہم معاملات بلکہ دوسرے غیر اہم معاملات میں بھی غیر اللہ سے مدد چاہی تو اس نے ایک عبث عمل کیا، اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں مدد طلب کی جاتی حالانکہ وہ غنی کبیر ہے اور دوسروں سے کیسے مدد طلب کی جائے جب کہ سب اُس کے محتاج ہیں، اور محتاج کا محتاج سے مدد طلب کرنا ناپختہ رائے ہے اور عقل کی کج روی، اور میں نے کتنے لوگوں کو دیکھا جنہوں نے غیر اللہ سے عزت اور دولت طلب کی اور وہ ذلیل اور فقیر ہوئے سو اللہ کے سوا اور کوئی اس لائق نہیں کہ اس سے مدد طلب کی جائے۔'' (روح المعانی ج1ص91 مطبوع داراحیاء الثرات العربی، بیروت)''(تبیان القرآن 1/185)

اس تفسیر میں محتاج کا محتاج سے مدد مانگنے کو ناپختہ رائے اور عقل کی کج روی قرار دیا گیا ہے اور صاف بیان ہوا کہ سب ہی اللہ جل شانہ کے محتاج ہیں۔ اللہ کے سوا اور کوئی اس لائق نہیں کہ اس سے مدد طلب کی جائے۔ اس سے مراد وہی مدد ہے۔ جو اسباب سے بالاتر اور انسانوں کے بس سے باہر ہو، وگرنہ اسباب کے تحت مدد کا ثبوت تو بہت سے دلائل سے



ثابت ہے۔ بہرحال سعیدی صاحب نے اس تفسیر کو نقل کیا اور اس سے اختلاف کا اظہار نہیں کیا۔ سعیدی صاحب مزید نقل کرتے ہیں: ''علامہ مراغی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کریں اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی ایسی تعظیم کریں جیسی معبود کی تعظیم کی جاتی ہے اور اللہ کے سوا کسی سے مدد نہ طلب کریں اور کسی کام کے پورا کرنے کیلئے جو طاقت درکار ہوتی ہے وہ کسی اور سے نہ مانگیں ماسوا ان اسباب کے جن کا کسب کرنا اور جن کو حاصل کرنا ہمارے لئے عام اسباب میں مشروع اور میسر ہے۔

اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اسباب کو مسببات کے ساتھ مربوط کیا ہے، اسی طرح ارتفاع موانع پر بھی ان کو موقوف کیا ہے اور ان اسباب کے حصول کے لئے انسان کو علم و معرفت سے نوازا ہے اور موانع اور رکاوٹوں کے دور کرنے پر انسان کو قدرت عطا کی ہے اور اسی اعتبار سے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم ایک دوسرے کی مدد کریں اور تعاون کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۖ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۖ ﴾

''اور تم نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔'' (۵/ المائدۃ: 2)

﴿ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ رَدْمًا ۙ﴿۹۵﴾ ﴾

''ذوالقرنین نے کہا: میرے رب نے جس پر مجھے قدرت دی ہے وہ (تمہارے مال سے) بہتر ہے تو تم (محنت کے کام میں) طاقت سے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان نہایت مضبوط دیوار بنا دوں گا۔''

(۱۸/الکھف: 95)

اسی اعتبار سے ہم بیماروں کی شفا کے لئے اطباء سے دوائیں طلب کرتے ہیں اور دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے ہتھیاروں اور سپاہیوں سے مدد طلب کرتے ہیں اور اپنی فصلوں کی فراوانی کے لئے حشرات الارض اور مضر کیڑوں مکوڑوں کو دور کرتے ہیں اور ان کو ہلاک کرتے ہیں، اور ان اسباب کے بغیر اگر ہم بیماروں کے لئے شفا اور دشمن پر غلبہ چاہتے ہوں تو اس کیلئے صرف اللہ تعالیٰ سے استعانت کی جائے گی اور زمین و آسمان کی تمام حاجات کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے دستِ سوال دراز کیا جائے گا اور نبی کی حیات طیبہ میں ہمارے لئے اسوہ اور نمونہ ہے، آپ نے مختلف غزوات میں کفار کے خلاف غلبہ اور فتح کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کے آگے ہاتھ پھیلائے ہیں، اسی سے فتح اور نصرت کی دعائیں کی ہیں اور اسی سے بیماری میں حصول شفا کے لئے دعا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا اور فرمایا ہے کہ میں تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ تم سے قریب ہوں۔ سو جو شخص اپنی حاجات پوری کرانے کے لئے، کسی بیمار کی شفا کے لئے، دشمن پر غلبہ کیلئے یا اولاد کی طلب کے لئے اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر ان سے مدد مانگتا ہے وہ شخص سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا، اس نے اللہ کی شریعت سے اعراض کیا اور اس نے زمانہ جاہلیت کے بت پرستوں کا سا کام کیا۔ (تفسیر المراغی ج۱ص ۳۳۴ مطبوعه دار احیاء التراث العربی، بیروت"
(تبیان القرآن 185-1/186)

قارئین کرام یہ ساری عبارت بریلویہ کے سعید الملت نے نقل کی ہے۔ اس سے ان کے "حکیم الامت" کی پیش کردہ مثالوں کی حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے کہ "حکیموں سے حاکموں سے اور مالداروں سے کچھ مانگنا" دعا قطعاً نہیں بلکہ یہ تو وہ اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے مقرر کئے ہیں اور یہ نیکی و تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ معاونت ہے جس کی دلیل قرآن مجید میں موجود ہے، غیر اللہ سے دعا کے جواز کو ثابت کرنے کے لئے ایسی مثالیں دینا یقیناً باطل ہے۔ سعیدی صاحب نے "تفسیر المراغی" سے یہ سب

کچھ نقل تو کیا مگران باتوں سے کچھ اختلاف بھی کیا، چنانچہ لکھا ہے: ''ہمارے نزدیک علامہ مراغی کا یہ فتویٰ علی الاطلاق صحیح نہیں ہے، زمانہ جاہلیت میں کفار بتوں کو مستحق عبادت قرار دیتے تھے اور اسی عقیدے کے ساتھ ان سے استعانت کرتے تھے، لیکن جو مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مستحق عبادت قرار نہ دیتا ہو، اور نہ اولیاء اللہ کو متصرف بالذات سمجھتا ہو، ان کو تصرف میں مستقل سمجھتا ہو بلکہ یہ سمجھتا ہو کہ اولیاء اللہ، اللہ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے اس کائنات میں تصرف کرتے ہیں اور اسی عقیدہ کے ساتھ ان سے استعانت کرے تو اس مسلمان کا یہ فعل شرک ہے نہ زمانہ جاہلیت کے بت پرستوں کا سا کام ہے۔ تاہم ہمارے نزدیک شریعت کا اصل تقاضا یہی ہے کہ ان تمام امور میں صرف اللہ تعالیٰ سے استعانت کرنی چاہیے، اولیاء اللہ بھی اللہ کے محتاج ہیں اور ہم بھی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، تو سلامت روی اسی میں ہے کہ ہر حاجت اللہ سے طلب کی جائے اور ہر ضرورت میں اس کے آگے دست سوال دراز کیا جائے۔'' (تبیان القرآن ۱/ ۱۸۶)

سعیدی صاحب کی ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ''تفسیر مراغی'' کے مندرجہ بالا اقتباس سے متفق ہیں، البتہ انہیں اس بات سے اختلاف ہے کہ مزارات پر جا کر اولیاء اللہ سے مانگنا، ان کے حضور گڑگڑانا اور دعائیں کرنا زمانہ جاہلیت کا سا شرک نہیں۔ باقی ہم بھی محتاج اور اولیاء اللہ بھی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں تو مدد صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنی چاہیے۔

ان کے اس ''اختلاف'' کے جواب میں عرض ہے کہ یہ تو سعیدی بریلوی صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ ''دعا عبادت ہے'' اور عبادت اللہ تعالیٰ کا حق ہے، صرف دعا ہی نہیں جس قدر عبادات ہیں سب کی سب اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں، اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرے گا تو یہ شرک ہی ہوگا۔ رہا سعیدی صاحب کا یہ اشکال:

> ''وہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مستحق عبادت قرار نہ دیتا ہو، اور نہ اولیاء اللہ کو متصرف بالذات سمجھتا ہو، نہ ان کو تصرف میں مستقل سمجھتا ہو''

(تبیان القرآن ۱/۱۸۶)

تو عرض ہے کہ قرآن مجید کی آیات اور بریلویہ کی تفاسیر سے بھی یہ بات بالکل عیاں ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے مشرکین بھی اپنے ''آلھہ'' کو ''متصرف بالذات'' اور ''تصرف میں مستقل'' قطعاً نہیں مانتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق و مملوک مانتے تھے اور آج کل کے لوگوں کی طرح یہی سمجھتے تھے، جیسا کہ آپ نے لکھا:

''بلکہ یہ سمجھتا ہو کہ اولیاء اللہ اللہ کی دی ہوئی قدرت (واختیار) اور اس کے اذن سے اس کائنات مین تصرف کرتے ہیں اور اسی عقیدہ کے ساتھ ان سے استعانت کرے۔'' (تبیان ۱/۱۸۶)

مشرکین بھی کچھ ایسا ہی عقیدہ رکھتے تھے، قرآن مجید کی گواہی ملاحظہ کیجئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ (۱۰/یونس: ۳۱)

اب ان کے ''غزالیٔ دوراں'' احمد سعید کاظمی صاحب سے ان آیات کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے، لکھا ہے:

''آپ (اُن سے) فرمائیں تمہیں آسمان اور زمین سے کون رزق دیتا ہے یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا اور کون پیدا کرتا ہے زندہ کو مُردہ سے اور پیدا کرتا ہے مُردہ کو زندہ سے اور کون تدبیر کرتا ہے تمام اُمورِ (کائنات) کی تو وہ بول پڑیں (کہ) اللہ پس آپ فرمائیں کہ پھر کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں۔'' (البیان ص 399)

قرآن مجید کی یہ آیات گواہ ہیں کہ زمانہ جاہلیت کے مشرکین بھی یہ مانتے تھے بلکہ اعتراف بھی کرتے تھے کہ ''تمام امورِ کائنات کی تدبیر اللہ ہی کرتا ہے'' اور ''اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان سے رزق دیتا ہے'' نیز وہی ''سمع و بصر، موت و حیات کا مالک ہے، صریح

اعترافات کے باوجود بھی جو پیاروں کی عبادت کرتے تھے تو اس کی وجہ بھی قرآن مجید نے واضح کردی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّہُمۡ وَ لَا یَنۡفَعُہُمۡ وَ یَقُوۡلُوۡنَ ہٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰہِ ؕ قُلۡ اَتُنَبِّـُٔوۡنَ اللّٰہَ بِمَا لَا یَعۡلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ﴾ (۱۰/یونس:۱۸)

''اور اللہ کے سوا ان چیزوں کی پوجا کرتے ہیں جو انہیں نہ نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ نفع دے سکتی ہیں اور کہتے ہیں یہ (معبود) ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس آپ فرما دیں کیا تم اللہ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جو اسے معلوم ہی نہیں آسمانوں اور نہ زمینوں میں وہ پاک ہے اور برتر ہے ان سب چیزوں سے جنھیں وہ (اس کے ساتھ) شریک کرتے ہیں'' (ترجمہ از کاظمی صاحب)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ۘ مَا نَعۡبُدُہُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی﴾

''اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے سوا شریک بنا رکھے ہیں (کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر صرف اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔'' (ترجمہ از کاظمی صاحب، البیان ص ۷۳۳)

معلوم ہوا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ جن واقعی یا اپنے زعم کے مطابق نیک و باکمال لوگوں کی عبادت کرتے تھے اس عبادت سے بھی ان کا مقصد مالکِ حقیقی اور متصرف بالذات اللہ رب العالمین کا قرب حاصل کرنا تھا، ظاہر سی بات ہے کہ وہ انہیں معبود حقیقی نہیں بلکہ معبود حقیقی کے قریب کرنے والا اور سفارشی سمجھتے تھے۔ اور وہ بھی اپنے اولیاء کو تصرف میں مستقل سمجھنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطائی قدرت و اختیار کا مالک سمجھتے تھے۔ پھر اس عقیدہ کے ساتھ ان کی عبادت کرتے تھے اور ان سے دعائیں مانگتے

تھے، چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يَقُوْلُوْنَ : لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ، قَالَ فَيَقُوْلُ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((وَيْلَكُمْ قَدْ قَدْ))، فَيَقُوْلُوْنَ: اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا وَهُمْ يَطُوْفُوْنَ بِالْبَيْتِ“

مشرکین بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے اس طرح کہا کرتے تھے: لبیک لا شریک لک (جب وہ اتنا کہتے) تو رسول اللہ فرماتے: ”تمہاری بربادی ہو بس بس“ (اسی پر کفایت کر جاؤ) لیکن وہ کہتے: ”اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ“ یعنی اے اللہ! تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جو تیرے لئے ہے تو اس شریک کا بھی مالک ہے اور جو کچھ اس شریک کے اختیار میں ہے اس کا بھی تو ہی مالک ہے، وہ لوگ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے یہی کہتے تھے۔“

(صحیح مسلم: ۱۱۸۵ الرقم المسلسل: ۲۸۱۵)

پیر کرم شاہ بھیروی صاحب نے اپنی تفسیر میں ایک جگہ مشرکین کے عقائد بیان کرتے ہوئے لکھا: ”بتوں کے متعلق مشرکین کا جو عقیدہ تھا وہ متعدد مقامات پر بیان کیا گیا...... نیز حج کے موقع پر جو تلبیہ وہ کہا کرتے تھے اس سے بھی ان کے عقیدہ کا پتہ چلتا ہے وہ کہا کرتے تھے: ”لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَ مَا مَلَكَ“ ہم حاضر ہیں اے اللہ ہم حاضر ہیں، ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ تیرا شریک ہے جس کو تو نے اپنا شریک بنایا ہے تو اس کا مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے اس کا بھی تو مالک ہے“ (ضیاء القرآن 2/462، یوسف: 106 کی تفسیر)

حدیث صحیح مسلم میں بھی ”تَمْلِكُهُ وَ مَا مَلَكَ“ ہے جو بھیروی صاحب نے بھی نقل کی ہے۔ ان کے ترجمہ سے یہی واضح ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے مشرک بھی اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کا مملوک مانتے تھے، مطلب اللہ کے بندے، اُس کے محتاج، اُس کے

محکوم، اس کے سامنے عاجز اور بے بس۔

''وَ مَا مَلَكَ'' کے الفاظ سے مشرکین کا یہ عقیدہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے ٹھہرائے شریک کے اختیارات وتصرفات کا مالک بھی اللہ ہی کو تسلیم کرتے تھے اور یہی سمجھتے تھے کہ ان کی اپنی قدرت واختیارات نہیں بلکہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عطا کردہ اختیارات ہیں، ان کے اختیارات کا مالک بھی اللہ ہی ہے، لیکن کیا ان کے اس عقیدہ واظہار نے انہیں شرک کے حکم سے محفوظ کرلیا؟ قطعاً نہیں، قرآن واحادیث میں انہیں مشرک ہی کہا گیا، ان کی عبادات ودعاؤں کو کفر وشرک ہی بتایا گیا ہے تو آج کوئی ان کا سا ''عطائی'' عقیدہ رکھ کر غیر اللہ کی عبادت کرے، غیر اللہ سے دعائیں مانگے تو ان کے اعمال کو شرک کیوں نہیں کہا جا سکتا؟ جب کہ وہ شرک ہے۔

بہرحال سعیدی صاحب کا اعتراض بے جا ہے اور احمد مصطفی المراغی کا زیر بحث قول دلائل اور واقعہ کے مطابق ہے۔ جہاں تک تعلق ہے دلائل کا تو سابقہ سطور میں مذکور حدیث ''دعا عبادت ہی ہے'' جیسا کہ فریق ثانی کو بھی تسلیم ہے۔تو یہ حدیث اس مسئلہ کی کافی وشافی دلیل ہے، چونکہ بہت سی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مختص ہے اور اللہ کے علاوہ کسی کی بھی عبادت جائز نہیں، لہٰذا سعیدی صاحب کے اعتراضات محض اپنے ہم مسلکوں کے دفاع پر مبنی ہیں۔مزید سنیے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ؕ ﴿۱۳﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَ لَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۧ ﴿۱۴﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾

(۳۵/ الفاطر : ۱۳_۱۵)

احمد سعید کاظمی ملتانی صاحب نے ترجمہ اس طرح کیا ہے:

”یہ ہے (عظمت والا) تمہارا رب اسی کا ہے سارا ملک اور وہ (باطل معبود) جنہیں اللہ کے سوا تم پوجتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ (اے مشرکو) اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اور اگر سن بھی لیں تو وہ تمہاری التجا کو قبول نہ کر سکیں گے اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کریں گے اور (اے سننے والے) تجھے کوئی نہ بتائے گا خبر رکھنے والے کی طرح۔ اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں والا۔“ (البیان ص 698)

ان آیات میں اللہ عزوجل نے بیان فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ کے سوا پکارا جاتا ہے وہ کسی بھی چیز کے مالک ومختار نہیں، اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار اور دعا نہیں سن سکتے، اگر تمہاری دعا سن بھی لیں تو جواب نہیں دے سکتے، قبول نہیں کر سکتے کہ ان کے پاس تو اختیار ہی نہیں، اور قیامت کے دن وہ لوگ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے، اس سے اپنی برأت کا اظہار کر دیں گے۔ ان آیات میں اللہ کے سوا دوسروں کو پکارنے والوں، اُن سے دعائیں مانگنے والوں کا کونسا ”شرک“ بیان ہوا جس کے بارے میں یہ بتلایا گیا ہے کہ قیامت کے روز شرک سے وہ اپنی برأت ولاتعلقی کا اظہار کر دیں گے۔ اس بیان کے آغاز میں ہی اس کی وضاحت موجود ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ ”جن لوگوں کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو۔“ جن سے فریادیں کرتے ہو، دعا کرتے ہو، تو معلوم ہوا کہ اس مقام پر ان کا شرک دعا ہی ہے، جیسا کہ آیت کے الفاظ ہیں: ﴿لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ﴾ ”یہ تمہاری دعا نہیں سن سکتے۔“ اگر سن بھی لیں تو جواب نہیں دے سکتے، تمہاری التجا قبول نہیں کر سکتے، آیت میں ”دعا“ کا لفظ موجود ہے جس کا ترجمہ احمد رضا خان صاحب، کاظمی صاحب، بھیروی صاحب اور خود سعیدی صاحب نے بھی ”پکار“ ہی کیا ہے۔ تو غیر اللہ سے دعا کا ”شرک“ ہونا ان آیات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ سعیدی صاحب کا انکار محض اپنے ہم مسلکوں کے دفاع کے لیے ہے۔



اسی دفاع کی خاطر بریلوی مترجمین نے ﴿ وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ﴾ کا ترجمہ ''پوجنا'' کیا۔ دیکھئے:

۱: احمد رضا خان صاحب نے لکھا: ''اور اس کے سوا جنہیں تم پوجتے ہو'' (کنز الایمان)

۲: کاظمی ملتانی صاحب نے ترجمہ لکھا: ''جنہیں اللہ کے سوا تم پوجتے ہو'' (البیان)

۳: بھیروی صاحب نے ترجمہ کیا: ''اور وہ بت جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے سوا''

(ضیاء القرآن ۱۴۸/۴)

۴: سعیدی صاحب نے ترجمہ کیا: ''اور جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو''

(تبیان القرآن ۶۵۶/۹)

جبکہ اگلی آیت جو اسی کے تسلسل میں ہے اس میں ﴿ تَدْعُوْهُمْ ﴾ کے معنی ان سب نے ''پکارنا'' ہی کیا ہے، اسی طرح ﴿ دُعَاءَ كُمْ ﴾ میں بھی ''دعا'' کا ترجمہ ''پکار'' و ''التجا'' ہی کیا ہے۔ ایک ہی بیان کے تسلسل میں یہ ایک ہی مادہ کے الفاظ کا مختلف ترجمہ کیوں؟ کہ ایک جگہ ''پوجا'' دوسری جگہ ''پکار''؟ مقصد اپنا دفاع ہے کہ خود بھی اللہ کے علاوہ اوروں کو پکارتے ہیں۔ ان کے ہم مسلک غیر اللہ سے دعائیں مانگتے ہیں تو پوجا ترجمہ کر دیا تاکہ آیات کی زد میں نہ آئیں، اور عام لوگ سمجھیں کہ بتوں کی پوجا کی بات ہو رہی ہے، اللہ کے نیک، صالح اور مقرب بندوں کو پکارنا اُن سے دعائیں مانگنا، التجائیں اور فریادیں کرنا ان آیات کے خلاف نہیں ہے۔ کاظمی صاحب نے بریکٹ میں (باطل معبود) بھی لکھ دیا۔ حالانکہ معبود برحق صرف اللہ ہی ہے۔ دعا کا عبادت ہونا حدیث سے، نیز ان کے اپنے بیانات سے ثابت ہے اور بھیروی صاحب نے اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے بریکٹ میں بُت بھی لکھ دیا تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ یہ آیت تو بتوں سے متعلق ہیں آگے بھی بتوں کی پوجا ہی کا رد ہے، پھر تفسیر میں تین مفسرین کے اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ جن میں سے دو کے اپنے بیانات سے ہی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ ان آیات کو صرف بتوں سے متعلق خاص نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ تفسیر کرتے ہوئے بھیروی صاحب نے لکھا:

۱: ” تدعون من دونه ای الاصنام (قرطبي) (ضياء القرآن ١٤٨/٤)

بلاشبہ علامہ قرطبی (المتوفی: 668ھ) نے یہ لکھا ہے، لیکن ان کا مقصد ان آیات کو بتوں ہی کی مذمت کے لیے مختص کر دینا نہیں چونکہ انھی آیات کی تفسیر میں انھوں نے یہ بھی لکھا ہے:

”ثم يجوز أن يرجع هذا الى معبودين مما يعقل، كالملائكة والجن والأنبياء والشياطين۔

پھر یہ بھی جائز ہے کہ یہ بیان ان معبودوں کی طرف بھی لوٹا یا جائے جو ذی شعور ہیں جیسے ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام اور جن وشیاطین“

(تفسیر قرطبی ۱۴/ ۲۹۳ مطبوع، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

۲: بھیروی صاحب نے دوسرا حوالہ تفسیر مظہری سے نقل کرتے ہوئے لکھا:

”أى الذين تعبدونها من الأصنام۔ (مظهرى)“ (حوالہ بالا)

حالانکہ ثناء اللہ پانی پتی (المتوفی 1225ھ) نے اس عبارت میں اصنام کے بعد بھی کچھ لکھا ہے، پوری عبارت ملاحظہ کریں:

”اى الذين تعبدونها من الاصنام وغيرها كائنة من دونه تعالٰى ما يملكون من قطمير“

یعنی: اللہ کے علاوہ جنہیں تم پوجتے ہو بت یا ان کے علاوہ جو بھی ہیں وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں۔ (تفسیر مظہری:۵۰/۸)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرطبی و مظہری نے بھی اللہ کے علاوہ ہر ایک کو مراد لیا ہے جنھیں اللہ کے علاوہ پکارا جاتا ہے، جن سے دعائیں مانگی جاتی ہیں، آیات میں صرف بت ہی مراد نہیں بلکہ اللہ کے علاوہ جو بھی ہیں وہ سب مراد ہیں۔ خود بھیروی اور سعیدی صاحب کی تفسیروں سے بھی یہ بات واضح ہوجاتی ہے، چنانچہ بھیروی صاحب نے لکھا:

”علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ بت تو اس لئے جواب نہیں دیں گے کہ وہ بے جان نہ سن



سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں لیکن جو کم بخت فرشتوں کو یا اللہ تعالیٰ کے مقربین کو پکارتے ہیں وہ اس لئے جواب نہیں دیں گے کہ ان گمراہوں نے انہیں خدا سمجھ رکھا تھا حالانکہ وہ خدا بننے سے بالکل الگ تھے پس وہ ایسے لوگوں کی فریاد کا جواب کیوں دیں گے جو اتنی بڑی تہمت لگا رہے تھے: و کیف یجیبون زاعم ذلك فیهم و فیه من التهمة ما فیه (روح المعانی)" (ضیاء القرآن ۱٤۹/٤)

جب معاملہ یہ ہے تو آیت: ﴿مِنْ دُوْنِهٖ﴾ میں صرف ''الاصنام'' لکھنے کا پیر صاحب کو کیا فائدہ؟ پھر بھیروی صاحب نے علامہ آلوسی حنفی کا کلام بس اتنا ہی نقل کیا، آگے جو ان کے خلاف تھا اُسے ترک کر دیا، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ علامہ آلوسی نے صرف یہی ایک احتمال بیان نہیں کیا جو بھیروی صاحب نے نقل کیا ہے بلکہ اس کے بالکل متصل یہ بھی لکھا ہے: "وعدم الاستجابة الفعلیة یحتمل أن یکون لهذا أیضًا و یحتمل أن یکون لأن نفع من دعائهم لیس من و ظائفهم"

اور عدمِ استجابت فعلیہ (یعنی نفع نہ پہنچانا) احتمال ہے کہ اس بنا پر بھی ہو اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس بنا پر ہو کہ جو ان (مقربین) سے دعائیں مانگیں انھیں نفع نقصان پہنچانا ان کے ذمہ داریوں میں سے نہیں ہے'' (روح المعانی تحت آیت فاطر:14)

علامہ آلوسی صاف فرماتے ہیں کہ مقربین کا یہ وظیفہ ہی نہیں کہ وہ اُن سے دعا مانگنے والوں اور التجائیں کرنے والوں کو نفع پہنچائیں، خواہ کوئی انہیں خدا سمجھ کر پکارے یا اللہ کا مقرب بندہ ہر صورت میں وہ فائدہ پہنچانے والے نہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ آلوسی نے جس طرح بتوں کے سننے کی نفی کی اسی طرح مقربین کے سننے کی بھی نفی ہی کی ہے۔ پیر صاحب نے بتوں کی نفی ذکر کر دی اور مقربین کے عدم سماع کا ذکر نہیں کیا، وہ ہم سے سن لیجئے علامہ آلوسی نے لکھا:

"ویحتمل أن یکون مع عبدتها و عبدة الملائکة و عیسی وغیرهم من المقربین ، و عدم السماع حینئذ إما لأن

المعبود ليس من شأنه ذلك كالاصنام و إما لأنه في شغل شاغل و بعد بعيد عن عابده كعيسى عليه السلام، و روى هذا عن البلخي أو لأن اللّٰه عزوجل حفظ سمعه من أن يصل اليه مثل هذا الدعاء لغاية قبحه و ثقله على سمع من هو في غاية العبودية للّٰه عزوجل، فلا يرد أن الملائكة يسمعون وهم فى السماء كما ورد بعض الآثار دعاء المؤمنين ربهم سبحانه"

اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ کلام بتوں کی عبادت کرنے والوں سے بھی ہو اور ملائکہ اور عیسیٰ علیہم السلام اور ان کے علاوہ دیگر نیک صالح لوگوں کی عبادت کرنے والوں سے بھی ہو، تو اس صورت میں اُن کی دعاؤں کا نہ سننا اس بنا پر ہے کہ یہ اُس معبود کی شان ہی نہیں جیسے بتوں کی، یا اس بنا پر ہے کہ معبود کسی مصروفیت میں مشغول ہو یا اپنی عبادت کرنے والے سے بہت دوری پر ہو جیسے عیسیٰ علیہ السلام یہ تفسیر بلخی سے بھی مروی ہے۔ یا عدم سماعت اس بنا پر ہے کہ اللہ عزوجل نے ان کی سماعت کو اس قسم کی دعا کے پہنچنے سے محفوظ کر لیا چونکہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کے اعلیٰ درجہ پر ہو اس کی سماعت پر یہ دعا انتہائی قبیح و گراں گزرے گی، پس یہ بات بھی وارد نہیں ہوتی کہ ملائکہ ایسی دعاؤں کو سن لیتے ہیں آسمانوں پر رہتے ہوئے، جیسا کہ بعض آثار میں مومنین کا اپنے رب سے دعا کے بارے میں وارد ہوا ہے۔" (روح المعانی، حوالہ بالا)

الغرض کہ پیر کرم شاہ بھیروی صاحب کی اپنی ہی تفسیر سے واضح ہو جاتا ہے کہ سورۂ فاطر کی یہ آیات بت اور ان کے پجاریوں ہی کے لئے خاص نہیں بلکہ نیک صالح اور مقرب بندوں کی عبادت کرنے والے اور ان سے التجائیں اور فریادیں کرنے والوں کے بارے میں بھی ہیں۔

غیر ثابت قصے نوید شوکت (ڈربی۔ برطانیہ)

بُخت نصر کے خواب والا قصہ

بنی اسرائیل کی بابل کی زمین سے نجات پانے کا سبب بخت نصر کا خواب تھا۔اس نے ایک خواب دیکھا جس سے وہ ڈر گیا، لہٰذا اس نے اپنے کاہنوں اور جادوگروں کو بلایا۔اس نے ان کو اس خواب کی خبر دی جس سے اس کو تکلیف پہنچی تھی اور اس نے ان سے کہا کہ وہ اس کی تعبیر بیان کریں۔انھوں نے کہا: ہم کو خواب بیان کر اس نے کہا: میں وہ خواب بھول گیا ہوں۔پس تم مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ۔انھوں نے کہا: ہم تجھ کو اس کی تعبیر نہیں بتا سکتے جب تک تو اس کو بیان نہ کرے، چنانچہ وہ ناراض ہو گیا و راس نے کہا: میں نے تم کو اس کام کے لیے چنا ہے۔میں تمھیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں، اگر تم نے اس کی تعبیر نہ بتائی تو میں تمھیں قتل کر دوں گا۔یہ بات لوگوں میں پھیل گئی، اور یہ بات دانیال کو بھی پہنچی جبکہ وہ جیل میں تھے۔انھوں نے اپنے اس داروغے سے کہا جو ان کے ساتھ احسان کرنے والا تھا: کیا تیرے لیے ممکن ہے کہ بادشاہ کے ہاں میرا تذکرہ کرو، کیونکہ میرے پاس خوابوں کا علم ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ تو اس وجہ سے بادشاہ کے ہاں مقام پالے گا اور میری رہائی کا سبب ہو گا؟ داروغے نے کہا: میں تجھ پر بادشاہ کے ظلم سے ڈرتا ہوں۔شاید قید کے غم نے تمھیں اس بات پر ابھارا ہے جس کا تمھیں علم نہیں ہے۔پھر بھی میں گمان کرتا ہوں کہ اگر اس خواب کا علم کسی کو ہے تو وہ تو ہی ہے۔دانیال نے کہا: تو میرے بارے میں نہ ڈر نہ کیونکہ میرا ایک رب ہے جو مجھے میری ضرورت کی خبر دیتا ہے۔داروغہ گیا اور بخت نصر کو اس کی خبر دی، چنانچہ اس نے دانیال کو بلایا تو انھیں اس کے سامنے پیش کیا گیا اور اس کے پاس جو بھی جاتا وہ اس کو سجدہ کرتا جبکہ دانیال ٹھہر گئے اور سجدہ نہ کیا۔بادشاہ نے ان لوگوں سے کہا جو گھر میں موجود تھے کہ نکل جاؤ تو وہ سب نکل گئے۔بخت نصر نے دانیال کو کہا: تو نے مجھے سجدہ کیوں نہیں کیا۔دانیال نے کہا: میرا ایک رب ہے جس نے مجھے یہ علم دیا

ہے جس کو تو نے سنا۔ مجھ پر لازم ہے کہ میں غیر کو سجدہ نہ کروں۔ پس میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں تجھے سجدہ کروں تو وہ مجھ سے یہ علم چھین لے گا، پھر میں تیرے سامنے ان پڑھ ہو جاؤں گا۔ پس تو مجھ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے گا اور تو مجھے قتل کر دے گا۔ میں نے سوچا قتل ہونے سے سجدہ چھوڑ دینا زیادہ آسان ہے۔ سجدے کا خطرہ جس پریشانی میں تو ہے زیادہ آسان ہے، اسی غرض سے میں سجدہ ترک کر دیا۔ بخت نصر نے کہا: میرے نزدیک اس وقت تجھ سے زیادہ اعتماد والا کوئی نہیں، جبکہ تو نے اپنے معبود کے وعدے کو پورا کیا۔ میرے نزدیک وہ لوگ زیادہ پسندیدہ ہیں جو اپنے بادشاہوں کے وعدوں کو پورا کرتے ہیں۔ جو میں نے خواب دیکھا ہے، کیا تیرے پاس اس کا علم ہے؟ اس نے کہا: ہاں اس کا علم اور اس کی تاویل کا علم میرے پاس ہے۔ جو تو نے بڑا بت دیکھا جس کی دونوں ٹانگیں زمین میں تھیں اور اس کا سر آسمان میں اور اس کا اوپر والا حصہ سونے کا اور اس کا درمیان والا حصہ چاندی کا اور اس کے نیچے والا حصہ پیتل کا اور اس کی دونوں پنڈلیاں لوہے کی اور اس کی دونوں ٹانگیں مٹی کی اور تو نے اس کی طرف دیکھا۔ تجھے اس کا حسن اور اس کی بناوٹ اچھی لگی۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پتھر پھینکا جو اس کے سر کی چوٹی پر لگا اس نے اس کو پیس دیا۔ اس کا سونا، اس کی چاندی، اس کا پیتل، اس کا لوہا اور اس کی مٹی (خلط ملط) ہو گئی۔ یہاں تک کہ تجھے خیال ہونے لگا کہ اگر تمام جن وانس مل کر اس کے بعض کو بعض سے علیحدہ کریں تو وہ اس کی طاقت نہیں رکھ سکتے اور اگر ہوا چلے اور اس کو بکھیر دے اور پتھر جو تو نے دیکھا جو پھینکا گیا وہ بڑا ہوتا ہے اور پھیلتا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے ساری زمین کو بھر دیا۔ تو صرف آسمان اور پتھر کو دیکھنے والا ہو گیا۔ بخت نصر نے کہا: تو نے سچ کہا میں نے یہی خواب دیکھا ہے، لہٰذا اس کی تعبیر کیا ہے؟

دانیال نے کہا: جو بت ہے وہ پہلے زمانے، درمیانے زمانے اور اخیر زمانے کی مختلف امتیں ہیں اور جو سونا ہے پس یہ وہ زمانہ اور امت ہے جس میں تو ہے اور تو اس کا بادشاہ ہے اور جو چاندی ہے پس وہ تیرا بیٹا تیرے بعد بادشاہ ہو گا جو پیتل ہے وہ رومی ہیں اور جو لوہا

ہے وہ فارس ہے اور جو مٹی ہے وہ دو امتیں ہیں جن کی بادشاہ دو عورتیں ہوں گی ایک ان میں سے یمن کے مشرق میں اور دوسری شام کے مغرب میں ہوگی۔ اور جس پتھر کے ساتھ بت کو مارا گیا ہے وہ اللہ کا دین ہے۔ وہ ختم کرے گا اس امت کو آخری زمانے میں تاکہ وہ اس کو غالب کرے اس پر اللہ تعالیٰ ایک امّی نبی عرب سے بھیجے گا۔ پس اللہ تعالیٰ مٹا دے گا اس کے ساتھ امتوں اور ادیان کو، جیسا کہ تو نے پتھر دیکھا جس نے بت کی قسموں کو مٹا دیا۔ اور غالب کرے گا اس کو ادیان اور امتوں پر، جیسا کہ تو نے پتھر کو دیکھا جو زمین پر ظاہر ہوا اور اس میں پھیل گیا یہاں تک کہ وہ اس پر غالب آ گیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ حق کو مضبوط کرے گا اور مٹائے گا اس کے ساتھ باطل کو اور ہدایت دے گا اس کے ساتھ گمراہوں کو اور وہ سکھائے گا اس کے ساتھ ان پڑھوں کو اور قوی کرے گا اس کے ساتھ کمزور کو اور عزت دے گا ذلیل کو اور مدد کرے گا کمزوروں کی۔

بخت نصر نے کہا: میں نہیں جانتا کہ جب سے مجھے بادشاہت ملی ہے میں نے کسی سے مدد طلب کی ہو اور کوئی چیز پر غالب آئی ہو مجھ پر تیرے علاوہ اور میرے نزدیک تجھ سے زیادہ معزز کوئی نہیں، میں تجھے تیرے احسان کی جزا دیتا ہوں اور ذکر کیا قصہ جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔

اس واقعہ کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱) امام ابو نعیم نے کہا: ثنا أحمد بن السندي بن بحر، قال: ثنا الحسن بن علويه القطان قال ثنا اسماعيل بن عيسى قال ثنا اسحاق بن بشر أبوحذيفة قال: ثنا سعيد بن بشير عن قتادة عن كعب الاحبار قال ...... إلخ (دلائل النبوة ج1ص83ح44)

تاریخ دمشق (۱٦۳/۵ ت ۷۳) میں یہ واقعہ بغیر سند کے موجود ہے۔

اس قصے کی سند تین وجہ سے سخت ضعیف ہے:

۱: اس سند میں ایک راوی اسحاق بن بشیر کذاب ہے۔

امام حبان نے کہا: ''كان يضع الحديث على الثقات.''
ثقہ راویوں پر حدیثیں گھڑتا تھا: (المجروحین ت 60 ج 1 ص 146)

امام ابو زرعہ نے کہا: ''كان يكذب يحدث عن مالك و أبي معشر بأحاديث موضوعة'' وہ جھوٹ بولتا تھا۔ امام مالک اور ابو معشر سے موضوع حدیثیں بیان کرتا تھا۔ (الجرح والتعدیل ج 2 ت 744)

امام ابوحاتم نے فرمایا: ''كان يكذب'' وہ جھوٹ بولتا تھا۔ (ایضاً)

۲: دوسری وجہ قتادہ مدلس ہیں اور روایت عن سے کر رہے ہیں اور مدلس راوی جب تک سماع کی صراحت نہ کرے اس کی روایت قبول نہیں کی جاتی۔

۳: تیسری وجہ قتادہ کی کعب الاحبار سے ملاقات ثابت نہیں ہے، یعنی انقطاع ہے کیونکہ کعب الاحبار سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں فوت ہو گئے تھے، لہٰذا یہ سند منقطع ہے۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۵۹۶/۳)

خلاصة التحقيق: یہ سارا قصہ باطل، من گھڑت اور موضوع ہے۔



ہلاکت خیز گناہ

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سات ہلاک کر دینے والے گناہوں سے بچو۔'' عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! وہ کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو، جس جان کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے اسے (ناحق) قتل کرنا، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، میدان لڑائی سے بھاگ جانا اور پاک دامن بے خبر خواتین پر تہمت لگانا۔''

(صحیح البخاری: ۲۷٦۷، صحیح مسلم: ۸۹ واللفظ له)

توصیف بن عبدالرزاق

تعداد قیام رمضان پر اعتراضات کے جوابات

اسلام نے حقیقی کامیابی کی ضمانت انھیں لوگوں کو دی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و اتباع کرتے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ (۳۳/الاحزاب: ۷۱)

''جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔''

اس لیے ہر مسئلے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع و اطاعت کا خیال رکھنا چاہیے، بعض لوگ صرف اپنے مسلک کی خاطر قرآن و حدیث کی ایسی باطل تاویلات کرتے ہیں کہ دسائس کی آخری حد کو چھو لیتے ہیں۔ رکعات تراویح بھی ایک ایسا مسئلہ بن چکا ہے کہ محض تقلیدی مسلک کو سہارا دینے کے لیے واضح اور صریح احادیث سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے اور طرح طرح کے اعتراضات کھڑے کر کے سادہ لوح لوگوں کو دھوکا دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مسئلہ تراویح پر کافی کچھ لکھا گیا ہے، مزید چند اعتراضات اور ان کے جوابات پیشِ خدمت ہیں:

دلیل (۱): ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی رمضان میں (رات کی) نماز کیسی ہوتی تھی؟ تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رمضان ہو یا غیر رمضان رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

(صحيح بخاري :۲۰۱۳)

اعتراض: اس روایت میں آگے جا کر ''یصلی اربعًا'' کے الفاظ ہیں جس کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ نے یہ چار رکعات ایک سلام سے ادا کی تھیں اور تراویح کی نماز تو دو دو رکعت کر کے پڑھی جاتی ہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ اس روایت کا تعلق نماز تراویح سے نہیں ہے۔

جواب: عربی زبان سے لاعلم انسان ہی ''يصلي أربعًا'' کا ترجمہ یہ کرے گا کہ چار

رکعات ایک سلام سے ادا کرتے تھے۔ یہ ترجمہ ہرگز درست نہیں اور نہ صحیح بخاری ہی میں کسی جگہ ایک سلام کا تذکرہ ہے بلکہ اس کی وضاحت صحیح مسلم کی حدیث جو دلیل نمبر ۲ کے طور پر ذکر کی گئی ہے، کرتی ہے کہ آپ یہ تمام رکعات ۲، ۲ کر کے ادا کرتے تھے۔

اعتراض: اہل حدیث کے نامور عالم صاحب تحفۃ الاحوذی مبارکپوری صاحب نے لکھا ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ اکٹھی تھیں۔ (تحفة الاحوذی ۳۳۱/۱)

اکمال المسلم شرح صحیح مسلم از قاضی عیاض مالکی (۴۹/۳) اور شرح الزرقانی (۳۵۲) میں ''یصلي أربعًا'' کو ''صلوٰة اللیل مثنی مثنی'' پر محمول ثابت کیا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ صحیح مسلم کی حدیث جو دلیل نمبر ۲ میں ذکر کی گئی ہے بخاری کی مذکورہ حدیث کی توضیح و تشریح ہے۔

دلیل (۲): ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد صبح تک گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور اسی نماز کو لوگ عتمہ بھی کہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو رکعات پر سلام پھیرتے اور ایک وتر پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم :۷۳٦)

اعتراض: آپ کہتے ہیں کہ یہ روایت سابقہ روایت کی وضاحت کرتی ہے، ان دونوں روایات میں باعتبار کیفیت فرق ہے۔ بخاری میں تین وتر کا ذکر ہے اور مسلم میں ایک۔

جواب: مسلم کی روایت واقعتاً بخاری کی روایت کی وضاحت کرتی ہے۔ بخاری میں بیان ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین وتر ادا کیے اور مسلم میں اس کی وضاحت آ گئی کہ تین وتر ادا کیے لیکن دو رکعات کے بعد سلام پھیرا، پھر ایک وتر الگ ادا کیا اور عرض ہے کہ ۳ وتر کا احسن طریقہ بھی یہی ہے کہ دو رکعات کے بعد سلام پھیرا جائے اور ایک وتر الگ ادا کیا جائے۔

اس کے چند دلائل پیشِ خدمت ہیں:

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی نماز کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور جب تجھے صبح ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت ادا کر، وہ تیری ساری پڑھی ہوئی نماز کو وتر بنا دے

گی۔"(صحيح بخاري:٩٩٠)

اس حدیث کے متصل بعد سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا عمل درج ہے، نافع بیان کرتے ہیں:"أن عبد اللّٰه بن عمر كان يسلم بين الركعة والركعتين فى الوتر حتى يامر ببعض حاجته ۔" کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وتر کی دو رکعات اور ایک رکعت کے درمیان سلام پھیرتے تھے حتیٰ کہ اپنی کسی ضرورت کے متعلق حکم بھی دے دیا کرتے تھے۔اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((صلاة الليل مثنى مثنى والوتر واحدة و سجدتان قبل صلاة الصبح))"رات کی نماز دو دو رکعت اور وتر ایک ہے اور دو رکعتیں میں صبح کی نماز سے پہلے۔"

(مصنف ابن أبي شيبة :٦٨٠٥ وسنده صحيح)

صحیح ابن حبان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل بیان ہوا ہے، چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :"كان رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم يفصل بين الشفع والوتر بتسليم يسمعناه" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (وتروں کی) دو اور ایک رکعت کے درمیان سلام کے ساتھ فاصلہ کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کی آواز ہمیں سنواتے تھے۔

(ح٢٤٣٥ وسنده حسن)

یہ دلائل اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تین وتر پڑھنے کا طریقہ یہ تھا کہ دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے اور ایک رکعت الگ پڑھتے تھے،لہٰذا یہ اعتراض بھی باطل ہے۔

فائدہ: احناف ایک رکعت وتر کے قائل و فاعل نہیں،لیکن یہاں اعتراض کر کے خود ہی اس کو ثابت کرتے ہیں۔فيا للعجب۔

اعتراض: ان دونوں روایات کا تعلق تہجد سے ہے تراویح سے نہیں۔اس اعتراض کا جواب ہمارے شیخ محترم حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "تعداد رکعات قیام رمضان" میں بڑی تفصیل سے دیا ہے۔ (ملاحظہ کریں ص ١٦۔١٨)



اعتراض: علامہ ابوبکر العربی نے عارضۃ الاحوذی میں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اور قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے اپنی شرح مسلم میں آپ کی دلیل نمبر ۱ میں ذکر کردہ حدیث کو تہجد کے متعلق قرار دیا ہے، تراویح کے متعلق نہیں۔

جواب: تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے اور ان تینوں علماء نے بھی اسی کو بیان کیا ہے۔

علامہ ابوبکر العربی رحمہ اللہ نے عارضۃ الاحوذی (۱۹/۴) میں لکھا: "والصحیح ان یصلی احدی عشرة رکعة صلاة النبي ﷺ و قیامه فأما غیر فلا أصله له"

اور صحیح یہی ہے کہ گیارہ رکعات ادا کی جائیں اور یہی نبی ﷺ کی (رات کی) نماز اور قیام ہے اور جو اس کے علاوہ ہے تو اس کی کوئی اصل نہیں۔

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس حدیث کو ابن ابی شیبہ کی ۲۰ رکعات والی روایت کے معارض قرار دیا ہے۔ دیکھئے فتح الباری، شرح حدیث: ۲۰۱۳

اگر اس کا تعلق قیام رمضان سے نہیں تو معارض کس طرح ہوئی؟

اور قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے اپنی شرح مسلم (۵۳/۳) میں یہ الفاظ لکھے:

"و قول عائشة ما کان یزید رسول اللّٰه ﷺ ...... الحدیث هذا هو الصحیح في صفة صلاته علیه السلام في رمضان۔" کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول "ما کان یزید ...... یہی نبی ﷺ کے قیام رمضان کے متعلق صحیح ہے۔

اعتراض: تہجد اور تراویح میں فرق ہے کیونکہ تہجد اخیر شب میں اور تراویح اول شب بعد نماز عشاء ادا کی جاتی ہے۔

جواب: تہجد اور تراویح کا وقت بعد از نماز عشاء تا فجر ہے اور اس کی گواہی تو احناف نے خود بھی دے رکھی ہے۔

۱: قدوری (درسی نسخہ ص ۳۷) میں باب قیام شهر رمضان کے تحت یہ عبارت لکھی ہے:

"یستحب أن یجتمع الناس في شهر رمضان بعد العشاء۔"

بعد العشاء کے بعد وضاحت کے لیے چھوٹے الفاظ میں ”الی طلوع الفجر“ کے الفاظ درج ہیں، یعنی رمضان کے مہینے میں عشاء کے بعد سے فجر تک لوگوں کا جمع ہونا مستحب ہے۔

۲: ہدایہ (درسی نسخہ ۱/۱۵۸) میں ہے:

”والأصح أن وقتها بعد العشاء الی آخر اللیل قبل الوتر و بعده لأنها نوافل سنت بعد العشاء۔“

اس عبارت میں قیام رمضان کے اصح وقت کی نشاندہی ہے کہ وہ عشاء کے بعد سے لے کر رات کے آخر (یعنی فجر) تک ہے۔

۳: فتح القدیر (۱/۴۸۶) میں صاحب کتاب نے پہلے اسی مسئلہ کے اختلاف کو ذکر کیا، پھر آخر میں یہ فیصلہ صادر فرمایا:

”والصحیح لا یکره لأنها صلاة اللیل و الأفضل فیها آخر“

کہ صحیح اور درست بات یہی ہے کہ یہ مکروہ نہیں کیونکہ یہ تو رات کی نماز ہے اور اس کا افضل وقت بھی آخری ہے۔

۴: البنایہ (۲/۶۶۴) میں ہے:

”بل الأصح ما قاله المصنف لأنه صلاة اللیل فیجوز الی طلوع الفجر سواء کانت قبل الوتر أو بعد“

بلکہ صحیح ترین بات وہی ہے جو مصنف نے کہی، کیونکہ یہ رات کی نماز ہے اور فجر کے طلوع ہونے تک جائز ہے وتر سے پہلے ہو یا بعد (دونوں طرح صحیح ہے)

احناف کے گھر کی چند گواہیاں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قیام رمضان کا وقت نماز عشاء سے لے کر آخر رات تک ہے، لہٰذا آج کل کے سائیں حضرات کو عقل سے کام لینا چاہیے۔

صحیح بخاری کتاب العلم باب السمر بالعلم (ح ۱۱۷) میں ہے:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں نے اپنی خالہ سیّدہ میمونہ

بنت الحارث رضی اللہ عنہا زوجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گزاری اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس رات ان کے ہی گھر میں تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز ادا کی ، پھر گھر آئے اور چار رکعت پڑھ کر آپ سو گئے ، پھر اٹھے اور فرمایا:"یہ لڑکا سو رہا ہے۔" یا اسی طرح کا کوئی لفظ فرمایا، پھر آپ (نماز پڑھنے کے لیے) کھڑے ہو گئے......

یہ روایت اس بات کی دلیل اور ثبوت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام اللیل تہجد کی ابتدائی نماز عشاء کے بعد ادا کی۔اور صحیح بخاری (ح ۱۱۳۲) میں ہے:

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت قیام کرتے تھے جب مرغ کے بولنے کی آواز آتی تھی۔ یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصے میں بھی تہجد ادا کیا کرتے تھے، لہٰذا تہجد کا وقت عشاء کے بعد سے لے کر فجر تک ثابت ہوا۔

اور نماز تراویح کے لیے الگ سے دلیل موجود ہے:

ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے آپ نے ہمارے ساتھ کوئی قیام نہ کیا حتیٰ کہ مہینے میں ایک ہفتہ باقی رہ گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قیام کروایا حتیٰ کہ تہائی رات گزری ، جب چھٹی رات آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قیام نہ کرایا جب پانچویں رات آئی تو ہمیں قیام کرایا حتیٰ کہ آدھی رات گزر گئی میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ! کاش آپ ہم کو باقی راتوں میں بھی قیام کرائیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"انسان جب امام کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے اور اس کے فارغ ہونے تک اس کے ساتھ ہی رہتا ہے تو اس کے لیے پوری رات کا قیام شمار کیا جاتا ہے۔" جب چوتھی رات آئی تو آپ نے ہمیں قیام نہ کرایا جب تیسری رات آئی تو آپ نے اپنے عزیز واقارب اور ازواج مطہرات اور باقی لوگوں کو جمع کیا اور ہمیں قیام کرایا حتیٰ کہ ہمیں فکر لاحق ہوئی کہ کہیں ہماری فلاح ہی نہ فوت ہو جائے۔ (جبیر کہتے ہیں) میں نے سوال کیا کہ فلاح سے کیا مراد ہے تو انھوں نے کہا: سحری۔ پھر بقیہ راتوں میں آپ نے ہمیں قیام نہیں کرایا۔أبو داود (كتاب تفريع أبواب شهر رمضان باب في قيام شهر رمضان ح١٣٧٥

وسنده صحيح) والترمذی (٨٠٦) والنسائي (١٣٦٥) و ابن ماجه (١٣٢٧) و ابن خزيمة (٢٢٠٦) و ابن حبان (٩١٩)

یہ روایت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ تراویح کی نماز، عشاء کے بعد سے لے کر نماز فجر تک ادا کی جاسکتی ہے اور یہی اس کا وقت ہے۔

دلیل (۳): سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں نماز پڑھائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھائے۔ (صحيح ابن خزيمة:١٣٨/٢ ح ١٠٧٠، صحيح ابن حبان (الاحسان: ٤/ ٦٢، ٦٤ ح٢٤٠١_ ٢٤٠٦)

اعتراض: اس کی سند میں انقطاع ہے، عیسیٰ بن جاریہ کا سماع جابر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں کیونکہ ان کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے چوتھے طبقے میں ذکر کیا ہے اور اس طبقے کا سماع صحابہ سے ثابت نہیں۔

جواب: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے چوتھے طبقے والوں کے متعلق ہرگز یہ بات نہیں لکھی کہ ان کا سماع صحابہ سے ثابت نہیں، احناف کو جہاں امید کی کرن نظر آئی وہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا:

”الرابعة طبقة تليها جل رواياتهم عن كبار التابعين كالزهري و قتادة“

اس طبقہ والوں کی اکثر روایات کبار تابعین سے ہیں، جیسے زہری اور قتادہ ہیں۔ عام طالب علم بھی یہ جان سکتا ہے کہ اس عبارت کا کیا مطلب ہے، مزید ملاحظہ فرمائیں حافظ صاحب نے پانچویں طبقہ والوں کے متعلق فرمایا:

”الخامسة الطبقة الصغرىٰ منهم الّذين رووا الواحد والاثنين ولم يثبت لبعضهم السماع من الصحابة كالأعمش“

مذکورہ عبارت کے آخری الفاظ پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کلی

طور پر پانچویں طبقہ والوں کے سماع کی نفی بھی نہیں کی بلکہ صحابہ سے مکمل سماع کی نفی طبقہ سادسہ میں ہے، لہٰذا انسان کو غور کرنا چاہیے اور جان بوجھ کر اپنی بے عزتی کو خراب نہیں کرنا چاہیے۔

لطیفہ: احناف عیسیٰ بن جاریہ پر طبقہ رابعہ میں ہونے کی وجہ سے سماع نہ ہونے کا شور کرتے ہیں ان کی خدمت میں عرض ہے کہ امام ابوحنیفہ کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبقہ سادسہ میں ذکر کیا ہے، طبقہ رابعہ والوں پر سماع نہ ہونے کا اعتراض اور طبقہ سادسہ والوں کے سماع کے ثبوت کے لیے سرتوڑ کوششیں ......لیکن یہ کوششیں ناکام ہیں، انصاف یہ ہے کہ لینے اور دینے کے پیمانے ایک ہونے چاہئیں۔

عیسیٰ بن جاریہ کا سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے، مُسند ابی یعلیٰ (۳/۳۳۶) میں حدیث ہے جس کی سند اس طرح ہے:

”حدثنا عبد الأعلی حدثنا یعقوب عن عیسیٰ بن جاریة حدثنا جابر بن عبد اللّٰہ ......“

سند میں عیسیٰ بن جاریہ کے بعد ”حدثنا“ کا لفظ احناف کے اعتراض کی قلعی کھول رہا ہے اور ثابت کر رہا ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ الانصاری نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ انقطاع کا اعتراض مردود ہے۔

اعتراض: اس کی سند میں محمد بن حمید الرازی کذاب ہے۔

جواب: اس کا جواب شیخ حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”تعداد رکعات قیام رمضان“ ص ۱۹ میں دیا ہے، ملاحظہ فرمائیں، مختصراً عرض ہے کہ اس سند میں محمد بن حمید منفرد نہیں، باقی کئی رواۃ نے اس روایت کو یعقوب القمی سے بیان کیا ہے۔

اعتراض: اس کی سند میں یعقوب القمی ضعیف ہے، امام دارقطنی نے اس کو ”لیس بالقوی“ کہا ہے۔

جواب: اس کا جواب بھی قدرے تفصیل کے ساتھ شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں ان کی کتاب تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۱۹)

مختصراً عرض ہے کہ یعقوب القمی جمہور محدثین کے نزدیک حسن الحدیث ہیں۔

اعتراض: اس روایت کی سند میں عیسیٰ بن جاریہ ضعیف ہے۔

جواب: اس کا جواب بالتفصیل ملاحظہ فرمائیں شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کی کتاب ''تعداد رکعات قیام رمضان'' (ص ۲۰) مختصراً عرض ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ جمہور علماء کے نزدیک حسن الحدیث ہیں، لہٰذا یہ سند حسن ہے۔

دلیل (۴): سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رمضان میں آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو آپ نے کچھ بھی نہیں فرمایا، پس یہ رضا مندی والی سنت بن گئی۔ (مسند أبي یعلی :۱۸۰۱)

فائدہ: اس حدیث کی سند وہی ہے جو سابقہ حدیث کی ہے۔

دلیل (۵): امیر المومنین سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا اُبی بن کعب اور سیدنا تمیم الداری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ لوگوں کو (رمضان میں) گیارہ رکعات پڑھائیں۔

(موطأ إمام مالك ۱۱٤/۱ ح۲٤۹، السنن الکبریٰ للبیهقي ٤۹٦/۲)

فائدہ: اس حدیث کی صحت اور مزید وضاحت کے لیے دیکھئے کتاب ''تعداد رکعات قیام رمضان'' (ص ۲۳)

دلیل (۶): سیدنا السائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم (صحابہ) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ (سنن سعید بن منصور بحواله الحاوي للفتاوي ۳٤۹/۱ و حاشیة آثار السنن ص ۲۵۰)

فائدہ: اس روایت کے تمام راوی جمہور کے نزدیک ثقہ وحسن الحدیث ہیں۔

صحابہ کرام کے اس عمل سے واضح ہوا کہ گیارہ رکعات والا مسنون عمل منسوخ نہیں ہوا اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ ہی کی تعلیم دی ہے۔

فائدہ: احناف سیدنا السائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے ایک قول سے ۲۰ رکعت تراویح کا ثبوت اخذ کرتے ہیں ان کی دلیل مع جواب حاضر خدمت ہے:

”عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ قال كنا نقوم في زمان عمر بن الخطاب رضي الله عنه بعشرين ركعة والوتر“ (معرفة السنن والآثار ٤/٤٢)

سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں (رمضان میں) ۲۰ رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔

جواب: سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا گیارہ رکعات والا عمل پہلے گزر چکا ہے اور جس روایت میں ۲۰ کا ذکر ہے وہ روایت شاذ ہے۔اسی کی تفصیل درج ذیل ہے:

سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے تعداد رکعات کو بیان کرنے والے دو شاگرد ہیں:

۱: محمد بن یوسف ۲: ابن خصیفہ

محمد بن یوسف ۱۱ رکعات کو بیان کرتے ہیں اور ابن خصیفہ ۲۰ رکعات کو بیان کرتے ہیں۔محمد بن یوسف اوثق ہیں۔دلائل درج ذیل ہیں:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب التهذیب (۳۸۷۷) میں ابن خصیفہ کو ثقہ لکھا اور التقریب ہی (۶۴۱۴) میں محمد بن یوسف کو ثقہ ثبت لکھا۔

ابن خصیفہ کو امام ذہبی نے میزان (٤/٤٣٠) میں ذکر کیا اور امام ذہبی میزان میں عموماً اس راوی کا تذکرہ کرتے ہیں جس پر کلام ہو اور محمد بن یوسف کا تذکرہ میزان میں نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن خصیفہ پر کلام موجود ہے اور محمد بن یوسف پر کسی قسم کا کوئی کلام نہیں، لہٰذا محمد بن یوسف اوثق ہیں اور ان کی ۱۱ رکعات والی روایت صحیح ہے اور ابن خصیفہ کی ۲۰ رکعات والی روایت اوثق کی مخالفت کی وجہ سے شاذ اور مردود ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کا عمل ۱۱ رکعات والا ہی ہے اس کے علاوہ کچھ بھی ثابت نہیں۔

لینے اور دینے کے پیمانے مختلف کیوں؟

میں اس مضمون میں عرض کر چکا ہوں کہ احناف عیسیٰ بن جاریہ پر طبقہ رابعہ میں ہونے کی وجہ سے صحابہ سے سماع کی نفی کرتے ہیں لیکن یہ اعتراض صرف حدیث کو رد کرنے اور

تقلید کو پروان چڑھانے کے لیے ہے جہاں تقلید اور مسلک کو تقویت ملتی ہے وہاں احناف نے کیا کیا ملاحظہ فرمائیں:

مثال (۱): تراویح کے مسئلہ میں ۲۰ رکعات تراویح کو ثابت کرنے کے لیے احناف یہ دلیل پیش کرتے ہیں:

ابوالحسناء فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ پانچ ترویحات میں ۲۰ رکعات پڑھائے...... (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٤٩٦/٢)

یہ روایت ابوالحسناء کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے اور اس روایت کے متصل بعد امام بیہقی رحمہ اللہ نے "وفي هذا الإسناد ضعيف" لکھ کر واضح کر دیا ہے کہ یہ روایت قابل حجت نہیں اس سند کے راوی ابوالحسناء کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے " من السابعة" کہہ کر ساتویں طبقے میں شمار کیا ہے۔ دیکھئے التقریب (۸۰۵۳)

عیسیٰ بن جاریہ کے چوتھے طبقے میں ہونے کی وجہ سے انقطاع اور سماع نہ ہونے کا اعلان کرنے والوں کو یہ نظر کیوں نہ آیا؟

مثال (۲): احناف تراویح کے مسئلہ میں یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں:

" أن عمر بن الخطاب أمر رجلا أن يصلي بهم عشرين ركعة "
(مصنف ابن أبي شيبة ٣٩٣/٢ ح ٧٦٨٢)

اس روایت میں انقطاع ہے یحییٰ بن سعید الانصاری کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "من الخامسة" کہ پانچویں طبقے میں درج کیا ہے عیسیٰ بن جاریہ پر من الرابعة میں ہونے کی وجہ سے انقطاع نظر آیا اور یہاں من الخامسة پر نظر نہ پڑی، یہ کہاں کا انصاف ہے؟!

عوام الناس اس طرح کے خائن لوگوں سے محتاط رہیں اور خالص قرآن وسنت کو تھامنے کی کوشش کریں کیونکہ اس کے بغیر فوز وفلاح ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن وسنت پر عمل کی توفیق دے۔ آمین

حافظ ندیم ظہیر

حجامہ (سینگی لگوانا) ایک شرعی علاج

حجامہ سے مراد پچھنے لگوانا ہے، یعنی جسم کے متاثرہ حصے سے سینگی کے ذریعے سے خراب وفاسد خون نکلوانا۔ یہ ایسا علاج ہے جس کی طبی اہمیت سے انکار ممکن نہیں، بلکہ دورِ جدید میں سائنسی لحاظ سے بھی اسے مجرب ومفید قرار دیا گیا ہے۔ ہم نے ان سطور میں صحیح احادیث وآثار سے حجامہ (سینگی) کی شرعی حیثیت واضح کرنے کی کوشش کی ہے:

سینگی میں شفاء ہے: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، مُقنَّع بن سنان (تابعی) کی تیمارداری کے لئے تشریف لائے، پھر ان سے فرمایا: جب تک تم سینگی نہ لگوا لو میں یہاں سے نہیں جاؤں گا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

((إن فيه شفاء)) بلاشبہ اس میں شفاء ہے۔ (صحیح بخاری: ۵۶۹۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شفاء تین چیزوں میں ہے: (۱) سینگی لگوانے میں (۲) شہد پینے میں (۳) اور آگ سے داغنے میں، (لیکن) میں اپنی امت کو داغنے سے منع کرتا ہوں۔
(صحیح بخاری: ۵۶۸۱)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمھاری دواؤں میں شفاء ہے تو سینگی لگوانے میں اور آگ سے داغنے میں ہے اور میں داغنے کو پسند نہیں کرتا۔
(صحیح بخاری: ۵۷۰۴)

سینگی بہترین دوا (علاج) ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن چیزوں سے تم علاج کرتے ہو، اگر ان میں سے کوئی بہتر دوا ہے تو وہ سینگی لگوانا ہے۔

(سنن ابی داود: ۳۸۵۷، سنن ابن ماجہ: ۳۴۷۶ وسندہ حسن)

سینگی لگوانے کیلئے قمری تاریخ کا انتخاب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص (قمری مہینے کی) سترہ، انیس اور اکیس تاریخ کو سینگی لگوائے، اسے ہر بیماری سے شفاء ہوگی۔
(سنن ابی داود: ۳۸۶۱ وسندہ حسن)



عورتیں بھی سینگی لگوا سکتی ہیں: ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سینگی لگوانے کی اجازت چاہی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطیبہ کو حکم دیا کہ انھیں سینگی لگا دیں۔

راوی کے نزدیک ابوطیبہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی یا نابالغ لڑکے تھے۔

(صحیح مسلم: ۲۲۰۶، دارالسلام: ۵۷۴۴)

راجح یہی ہے کہ وہ اُس وقت غلاموں میں سے، سینگی لگانے کے ماہر، نابالغ لڑکے تھے۔

حالتِ احرام میں سینگی لگوانا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لحیِ جَمَل کے مقام پر حالتِ احرام میں سر کے درمیان سینگی لگوائی تھی۔ (صحیح بخاری: ۱۸۳۶، صحیح مسلم: ۱۲۰۳)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ احرام میں سینگی لگوائی۔

(صحیح بخاری: ۵۶۹۵)

روزے کی حالت میں سینگی لگوانا: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی حالت میں سینگی لگوائی۔ (صحیح بخاری: ۵۶۹۴)

سینگی لگوانے کے بعد غسل کرنا: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار کاموں کی وجہ سے غسل کیا کرتے تھے: جنابت سے، جمعہ کے دن، سینگی لگوانے سے اور میت کو غسل دینے کے بعد۔ (سنن ابی داود: ۳۴۸ وسندہ حسن)

سینگی لگانے والے کو اجرت دینا؟ ابوطیبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سینگی لگائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ انھیں (مزدوری میں) ایک صاع کھجور دی جائے اور آپ نے ان کے مالکوں کو حکم دیا کہ ان پر مقررہ خراج میں کمی کریں۔ (صحیح بخاری: ۲۱۰۲، صحیح مسلم: ۱۵۷۷)

یہاں خراج سے مراد وہ رقم ہے جو غلام اپنے مالک یا مالکوں کو آزادی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگی لگوائی اور حجام کو اس کی اجرت دی، اگر یہ اجرت حرام ہوتی تو اسے نہ دیتے۔ (صحیح بخاری: ۲۱۰۳)

ثابت ہوا کہ جن روایات میں اس اجرت کو خبیث وغیرہ کہا گیا ہے وہ کراہت پر محمول ہیں یا منسوخ ہیں۔ واللہ اعلم

نوید شوکت (ڈربی، برطانیہ)

نوری صاحب کی تضاد بیانیاں

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، أَمَّا بَعْدُ:

غلام مصطفی نوری صاحب نے ایک کتاب ترک رفع یدین لکھی ہے جس میں ان کی بہت زیادہ تضاد بیانیاں ہیں، مثلاً ایک ہی راوی جب اس کی مرضی کے مطابق آیا تو اس کو ثقہ قرار دیا اور جب مرضی کے خلاف آیا تو اس پر جرح کر کے اس کو رد کر دیا، اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱) نوری صاحب نے سجدوں کی رفع الیدین ثابت کرنے کے لیے ایک روایت پیش کی جس کے بارے میں لکھا: ''اس سند میں غیر مقلدین اسماعیل بن عیاش پر کلام کرتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے مختصراً اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ اسماعیل بن عیاش کے متعلق اپنی کتاب القول المسدد فی الذب عن مسند أحمد میں فرماتے ہیں: ...... بعض حضرات نے تو مطلقاً اسماعیل بن عیاش کو ثقہ قرار دیا ہے۔ محدث یعقوب بن سفیان نے کہا کہ کچھ لوگوں نے اسماعیل میں کلام کیا ہے حالانکہ اسماعیل بن عیاش ثقہ اور عادل راوی ہے۔ تو اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ یہ صحیح مرفوع حدیث ہے۔''

(ص293)

تضاد: یہی اسماعیل بن عیاش جب رفع الیدین کرنے کی روایت میں آیا تو نوری صاحب نے لکھا ''اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش ہے حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے تہذیب میں اس پر جرح و تعدیل کے اقوال نقل کیے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسماعیل بن عیاش جب بھی شام میں سے کسی سے روایت کرے تو یہ ثقہ اور جب اہل مدینہ اور شہر والے سے روایت کرے تو اس کی حدیث حجت نہیں رہتی۔ زیر بحث روایت میں اس نے صالح بن کیسان سے روایت کی ہے اور وہ اہل مدینہ سے ہیں اور اہل مدینہ سے یہ جب روایت

کرے تو حجت نہیں ہوتا بس واضح ہو گیا کہ یہ روایت حجت نہیں ہے۔ نہ اس سے استدلال درست ہے۔'' (ص445)

پہلی روایت میں نوری صاحب نے اس کی حدیث کو صحیح کہا ہے، حالانکہ وہ بھی اس نے صالح بن کیسان سے بیان کی تھی، چونکہ وہ نوری صاحب کی تائید میں تھی اس لیے صحیح تھی اور یہ ان کے خلاف تھی اس لیے یہ ضعیف ہو گئی۔

۲) ایک راوی جو نوری صاحب کی مرضی کے خلاف روایت میں آیا تو اس کے متعلق لکھا:
''تاہم اس سند میں حکم بن عتیبہ ہے جو کہ مجہول ہے۔'' (ص453)

تضاد: جب یہی راوی نوری صاحب کی مرضی کی روایت میں آیا تو نوری صاحب نے لکھا: ''اس سند کا پانچواں راوی حکم بن عتیبہ ہے یہ بھی ثقہ ہے۔'' (ص462)

نوری صاحب اپنی عبارت کے آئینے میں کیسے دکھتے ہیں، چنانچہ ملاحظہ کیجیے:

''راویوں پر بداعتمادی ہے غیر مقلدین کی کہ ایک راوی بخاری میں آئے تو ثقہ اور اس کی حدیث صحیح ہوتی ہے۔ وہی راوی بخاری کے علاوہ کسی ایسی حدیث میں آجائے جو غیر مقلدین کے مزاج کے خلاف ہو تو پھر خدا کی پناہ اس راوی کو شہید کرنے کے لیے عزم صمیم کر لیتے ہیں اور اس پر جرح کرتے کرتے کئی کئی ورق سیاہ کر ڈالتے ہیں جو راوی بخاری میں ثقہ تھا اب وہ ضعیف بن گیا کیونکہ اس نے وہ حدیث بیان کی جو غیر مقلدین کے عمل و مزاج کے خلاف ہے یہ ہے غیر مقلدین کی دیانتداری اور انصاف۔'' (ص259)

ع وہ الزام ہم کو دیتے ہیں قصور اپنا نکل آیا

۳) محمد بن فضیل ایک راوی ہیں جن کے بارے میں نوری صاحب لکھتے ہیں: ''پھر اس اثر کی سند میں محمد بن فضیل ہے جس کے متعلق ابوداود نے کہا یہ شیعہ ہے۔ ابن سعد نے کہا اس کے ساتھ دلیل نہ پکڑی جائے۔'' (ص424)

تضاد: دوسری جگہ نوری صاحب نے محمد بن فضیل کی بیان کردہ روایت کی سند کے بارے میں لکھا: ''اس سند کے تمام راوی صحیح بخاری شریف کے راوی ہیں اور ثقہ ثبت

ہیں۔'' (ص 457)

۴) ایک تابعی محارب بن دثار رحمہ اللہ جب رفع الیدین کرنے کی ایک حدیث کی سند میں آئے تو نوری صاحب نے امام بخاری کا رد کرتے ہوئے لکھا: ''اس کی سند میں محارب بن دثار ہے، جس کے متعلق امام ابن سعد نے کہا: لا یحتجون بہ کہ محدثین اس کے ساتھ دلیل نہیں پکڑتے۔ پھر یہ شخص سیدنا عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق اس کے نظریات درست نہیں تھے .... تعجب ہے ایسے لوگوں سے جو رفع الیدین پر دلیل پکڑتے ہیں۔'' (ص 423۔424)

نیز محارب بن دثار کو متکلم فیہ قرار دے کر میزان الاعتدال سے جرح نقل کرنے کے بعد نوری صاحب لکھتے ہیں: ''اب آپ خود غور کریں کیا ایسے شخص کی روایت حجت ہو سکتی ہے۔ جو حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا گستاخ ہو۔''

(ص 440)

تضاد: پھر دوسری جگہ اسی کتاب میں نوری صاحب محارب بن دثار کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حضرت محارب بن دثار جو کہ کوفہ کے قاضی تھے اور صاحب علم و فضل تھے۔'' (ص 256)

۵) نوری صاحب ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: ''پھر اس کی سند میں ایک راوی ابو ہلال محمد بن سلیم ابو ہلال الراسبی البصری ہے پھر اس کے متعلق محدثین کی جرح نقل کی اور لکھا: ''اس تفصیلی گفتگو سے واضح ہو گیا کہ یہ اثر صحیح نہیں بلکہ انتہائی کمزور ہے۔''

(ص 427-426)

تضاد: جب اپنا مفاد عزیز ہوا تو پھر اسی راوی کی اسی روایت سے استدلال بھی کیا۔

(ص 237-236)

٦) نوری صاحب ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: ''اس کی سند میں عکرمہ بن عمار ہے جو کہ ضعیف ہے۔'' الخ (ص 253)

تضاد: اور پھر دوسری جگہ اسی عکرمہ بن عمار کی روایت سے استدلال بھی کیا۔(ص289)

۷) ایک راوی ابراھیم بن منذر کی روایت نوری صاحب کی طبیعت کے خلاف آئی تو انھوں نے اس پر رد کرتے ہوئے لکھا: ''لیکن یہ اثر بھی سنداً ضعیف ہے۔اس کی سند میں ایک راوی ابراھیم بن منذر ہے۔ملاحظہ فرمائیں۔

''اگرچہ اس کی بعض نے توثیق بھی کی ہے تاہم امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ اس میں کلام کرتے تھے اور اس کی مذمت کرتے تھے۔زکریا ساجی کہتے ہیں: اس کے پاس منکر روایات ہیں علامہ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں کہ اس نے امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کو سلام کیا لیکن آپ نے اس کے سلام کا جواب بھی نہیں دیا۔زکریا ساجی نے کہا کہ اس کے پاس منکر روایات ہیں۔'' (ص441)

تضاد: لیکن دوسری جگہ اسی راوی کی اسی روایت سے استدلال بھی کیا۔(ص237)

؏ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

۸) نوری صاحب ایک راوی ابراھیم بن طہمان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس کی سند میں ایک راوی ابراھیم بن طہمان ہے یہ بھی ضعیف ہے۔'' (ص441)

تضاد: اور اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۲۳۷ پر ابراھیم بن طہمان کی روایت سے استدلال بھی کیا۔

۹) نوری صاحب رفع الیدین کرنے کی ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس کا چوتھا جواب: یہ ہے کہ اس کی سند میں حمید طویل ہے مناسب ہے کہ اس کے متعلق غیر مقلدین کے محدث علامہ عبدالرحمان مبارک پوری کی ہی رائے پیش کر دی جائے تا کہ غیر مقلدین کو انکار کرنے میں کچھ تو شرم محسوس ہو (بشرطیکہ اگر ہو بھی) مبارک پوری نے اپنی کتاب ابکار المنن میں ایک حدیث کی صحت کا انکار صرف اس لیے کر دیا ہے کہ اس کی سند میں یہی حمید طویل راوی ہے...... الخ خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ مبارک پوری نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں حمید طویل ہے اور وہ مدلس ہے اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے

عن کے ساتھ روایت کی ہے تو یہ روایت کیسے جید ہو سکتی ہے اور اس کا مدلس ہونا حافظ ابن حجر عسقلانی نے طبقات المدلسین میں بیان کیا ہے۔ تو ناظرین ثابت ہو گیا کہ مبارک پوری کے نزدیک بھی یہ روایت درست نہیں ہے کیونکہ اس میں بھی حمید طویل ہے اور اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عن کے ساتھ روایت کی ہے جو کہ غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں۔ پس واضح ہو گیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث موقوف حجت نہیں۔'' (ص379)

تضاد: پھر ایک روایت جو نوری صاحب کی طبیعت کے موافق تھی اسے بھی حمید طویل نے لفظ عن سے بیان کیا تو نوری صاحب نے کہا: ''معلوم ہوا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ثقہ صحیح حدیث میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین ہے اور کسی جگہ نہیں۔'' (ص 224)

ع آتی نہیں شرم مگر تجھے

نوری صاحب کی اپنی زبانی کچھ تو شرم محسوس ہو بشرطیکہ ہو بھی۔

۱۰) نوری صاحب لکھتے ہیں: ''حافظ الدنیا علامہ ابن حجر عسقلانی نے طبقات المدلسین میں مدلس کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے طبقہ کی تدلیس بہت ہی کم ہے بالاتفاق قبول ہے۔ دوسرے طبقہ کی تدلیس کو بھی ائمہ نے قبول کیا ہے اور تیسرے طبقہ کے مدلسین جب تک سماع کی صراحت نہ کریں وہ قبول نہیں۔'' (ص463)

تضاد: اور حمید طویل کو حافظ ابن حجر نے طبقہ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔ (طبقات المدلسین ت ۷۱)

ایک روایت جسے حمید طویل نے لفظ عن کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن وہ نوری صاحب کے مطلب کی تھی، لہٰذا نوری صاحب نے لکھا: ''لیکن امام ابویعلیٰ نے اپنی سند میں سند صحیح کے ساتھ اس حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے۔'' (ص285)

اب یہ روایت نوری صاحب کے مطلب کی تھی اس لیے نوری صاحب کو نہ حافظ ابن حجر کی طبقاتی تقسیم یاد رہی اور نہ حمید طویل کی تدلیس نظر آئی۔ کیا خوب انصاف ہے؟

۱۱) نوری صاحب ایک راوی ابوقلابہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''پھر اس میں ابوقلابہ خود متکلم فیہ ہے یہ مدلس ہے اور یہ روایت عن سے ہے جو کہ حجت نہیں۔'' (ص444-443)

تضاد: حالانکہ نوری صاحب نے خود لکھا ہے کہ پہلے طبقہ کی تدلیس بہت ہی کم ہے۔ بالاتفاق قبول ہے۔(ص463)اور ابوقلابہ کو حافظ ابن حجر نے پہلے طبقہ ہی میں ذکر کیا ہے۔ (طبقات ت15)

تنبیہ: ابوقلابہ تدلیس سے بری تھے۔تفصیل کے لیے دیکھئے الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین ص24

۱۲) نوری صاحب ایک حدیث کی سند پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''لیکن اس کی سند میں ایک تو سعید بن ابی عروبہ ہیں جو کہ ثقہ ہیں لیکن مدلس ہیں اور یہ روایت بھی انھوں نے قتادہ سے لفظ عن کے ساتھ کی ہے اور جب مدلس عن کے ساتھ روایت کرے تو وہ حجت نہیں ہوتی۔''(ص425)

تضاد: سعید بن ابی عروبہ کو بھی حافظ ابن حجر نے اسی طبقے میں شمار کیا ہے جس طبقے میں سفیان ثوری ہیں۔سفیان ثوری کی عن والی روایت کو کبار ائمہ نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن وہ نوری صاحب کے مطلب کی تھی، چنانچہ اسے صحیح ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔ یہاں یہ روایت ان کے خلاف تھی تو اس کو ضعیف قرار دے دیا گیا۔کیا یہی انصاف ہے؟

۱۳) نوری صاحب لکھتے ہیں: ''پہلے طبقے کی تدلیس بہت ہی کم ہے۔بالاتفاق قبول ہے۔ (ص463)

تضاد: لیکن دوسری طرف ایک روایت جو نوری صاحب کی طبیعت کے خلاف تھی اور اس کی سند میں ایک یحییٰ بن سعید ہیں جنھیں حافظ ابن حجر نے پہلے طبقہ میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے ت32)

اس کا رد کرتے ہوئے نوری صاحب لکھتے ہیں: ''سلمان بن یسار علیہ الرحمہ سے روایت کرنے والے جناب یحییٰ بن سعید ہیں یہ اگرچہ ثقہ ثبت حجت ہیں لیکن امام دمیاطی

علیہ الرحمہ نے کہا کہ کہا جاتا ہے یہ تدلیس کرتا تھا اور مدلس جب عن سے روایت کرے تو وہ حجت نہیں خصوصاً غیر مقلدین کے نزدیک...... مذکورہ بالا روایات کو بھی یحییٰ بن سعید نے عن سے روایت کیا ہے لہٰذا یہ بھی پھر حجت نہیں۔'' (ص382)

ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

قارئین کرام! ذرا غور کریں کہ نوری صاحب نے کس طرح دجل وفریب سے کام لیا ہے۔ ایک ہی راوی جب مرضی کے مطابق آیا تو اس کی توثیق کردی، اس کی روایت سے استدلال کیا اور اسی راوی کی روایت جب مرضی کے خلاف آئی تو نوری صاحب نے اس راوی پر جرح کر کے اس کی روایت کو رد کر دیا۔ خود ہی ایک قاعدہ بنا کر پھر خود ہی اس کو توڑ دیا۔ کیا انصاف اسی کا نام ہے؟

ہمیں پتا ہے کہ نوری صاحب کی یہ مجبوری ہے، اگر وہ اس طرح کی ہیرا پھیری نہ کریں تو ان کی دکان بند ہو جاتی ہے۔

اس لیے یہ لوگ دن رات سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور اپنے مسلک کی خاطر صحیح احادیث کو ضعیف اور ضعیف احادیث کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں لیکن سوچنا چاہیے کہ ایک دن مرنا ہے اور مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش بھی ہونا ہے۔ تو وہاں کیا جواب دیں گے؟؟

تنبیہ: یحییٰ بن سعید تدلیس سے بری ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھئے الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (ت ۳۲ ص ۳۱، ۳۲)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق کو حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وما علینا إلا البلاغ المبین



ابوالحسن انبالوی

ظہور احمد حضروی کے تناقضات...... پر ایک نظر

الحمد لله رب العٰلمين والصلاة والسلام علىٰ رسوله الأمين،
أما بعد:

ظہور صاحب لکھتے ہیں: ''امام ابو بشر محمد بن احمد دولابی رحمہ اللہ صاحب ''الکنی والاسماء'' کے بارے میں بھی زبیر علی زئی کا عجیب وغریب مؤقف ہے۔ چنانچہ جب ان کی کوئی بات زبیر علی زئی کے مؤقف سے ٹکرائے تو پھر اس کی نظر میں یہ ضعیف قرار پاتے ہیں، لیکن اگر یہ اس کے حق میں کچھ کہہ دیں تو پھر زبیر علی زئی بڑے مزے سے ان کی بات کو سینے سے لگا لیتا ہے۔''

تجزیہ

قارئین کرام! ہم شروع سے یہی بات واضح کرتے آرہے ہیں کہ پوری کتاب میں ظہور صاحب نے بڑی محنت سے خود تناقض بنا کے شیخ محترم رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیے ہیں۔ یہ تناقض بھی انھی کی محنت کا نتیجہ ہے کیونکہ محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ ۲۰۰۸ء سے پہلے تک دولابی مذکور کو حسن الحدیث، صدوق راویوں میں سمجھتے تھے اسی لیے بعض مقامات پر دولابی کی کتاب کے حوالے بھی دیے ہیں، جیسا کہ ظہور صاحب نے تضاد ثابت کرنے کے لیے انھی حوالوں کا سہارا لیا ہے، مثلاً: دیکھئے تسہیل الوصول ص ۸۵، ماہنامہ الحدیث شمارہ: ۱۸ ص ۱۹ وغیرہ۔

جب شیخ محترم رحمہ اللہ پر دلائل سے واضح ہو گیا کہ دولابی ضعیف ہے تو آپ نے ماہنامہ الحدیث شمارہ: ۹۴ ص ۴۳ میں واضح لکھ دیا ہے کہ ''دولابی بذاتِ خود قولِ راجح میں ضعیف ہے۔'' دیکھئے میزان الاعتدال (۳/۵۹) ولسان المیزان (۵/۹۴۲، ۹۴۳)

یعنی مختلف الاقوال میں سے راجح یہی ہے کہ دولابی مذکور ضعیف ہے اور یہ اپنے پہلے

موقف سے واضح رجوع ہے۔ تناقض تب ہوتا جب اس رجوع کے بعد بھی شیخ محترم رحمہ اللہ اس کی کتب کے حوالے پیش کرتے اور اسے بطور حجت بیان کرتے لیکن ایسا کچھ نہیں ہے۔

رجوع شدہ بات کو بطور تناقض نقل کرنا اور مذاق اڑانا بقول ڈیروی دیوبندی بہت بڑی تلبیس ہے جس کی زد میں ہمیشہ ظہور صاحب آتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ دولابی مذکور شیخ محترم رحمہ اللہ کے نزدیک ضعیف ہی ہے اور اس میں کوئی دورائے نہیں ہے اور جب سے محدث العصر رحمہ اللہ نے اسے ضعیف لکھا ہے اس کے بعد سے اپنی وفات تک اسے ضعیف سمجھ کر کبھی بطور حجت اس کا حوالہ نہیں دیا، لہٰذا تناقض کا الزام بے بنیاد اور محض سینہ زوری ہے۔

حفص بن سلم کذاب......

تناقض (۲۳) کے تحت ظہور صاحب لکھتے ہیں: ''ابو مقاتل حفص بن سلم کے بارے میں زبیر علی زئی کی تضاد بیانی ملاحظہ ہو۔ لکھتا ہے: ابو مقاتل حفص بن سلم السمرقندی جمہور محدثین کے نزدیک مجروح ہے۔ ابن عدی، ابن حبان اور جوزجانی وغیرہم نے اس پر جرح کی...... لیکن دوسری طرف خود زبیر علی زئی نے اسی ابو مقاتل سمرقندی رحمہ اللہ کی روایت کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جورابوں پر مسح کے عدم جواز والے فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا۔'' (تناقضات......ص ۶۹)

تجزیہ:

ظہور صاحب نے بھرپور محنت کی کہ محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے تناقض بنا کر عام کرے لیکن اس کی ناقص عقل کی وجہ سے ہمیشہ اس محنت پر پانی پھر جاتا ہے۔ ظہور صاحب تناقض منسوب کرنا جانتے ہیں لیکن ثابت کرنا ان کے بس کا روگ نہیں ہے، جیسا کہ مذکورہ عبارت سے واضح ہے۔ ابو مقاتل حفص بن سلم مجروح و متروک ہے۔ شیخ محترم رحمہ اللہ نے کبھی اس متروک راوی کی روایت سے استدلال نہیں کیا۔ باقی رہا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے رجوع والا معاملہ تو اس سلسلے میں شیخ محترم رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ملا مرغینانی لکھتے ہیں: ''وعنه

أنه رجوع الى قولهما وعليه الفتوى" امام صاحب سے مروی ہے کہ انھوں نے صاحبین کے قول پر رجوع کرلیا تھا اور اسی پر فتویٰ ہے۔(الهدايه ۱/ ۶۱)"

(هدية المسلمين ص ۲۰)

معلوم ہوا کہ شیخ رحمہ اللہ کے دعویٰ اور استدلال کی بنیاد ابومقاتل حفص بن سلم نہیں بلکہ احناف کے ''مستند عالم'' ملا مرغینانی اور مفتی بہ قول ہے۔ اب اگر حنفی حضرات کسی متروک راوی کی روایت کی بنیاد پر اسے مفتیٰ بہ قول قرار دیں تو یہ ان کے لیے لمحہ فکریہ ہے، جبکہ اس کے برعکس یہ حضرات دوسروں ہی کو موجب طعن سمجھتے ہیں!!! ظہور صاحب اپنے عیوب چھپانے کے لیے دوسروں پر الزامات کی برسات کچھ مناسب نہیں ہے۔



اعلان

محترم جناب مولانا حافظ ابوسیف جمیل احمد حفظہ اللہ نے ہمیں بذریعہ فون یہ اطلاع دی اور فرمایا: ''میری طرف سے یہ اعلان (شائع) کیا جائے کہ ابومحمد خرم شہزاد کی تالیف "كتاب الضعفاء والمتروكين" سے میں بَری ہوں، میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ میرے منع کرنے کے باوجود اس نے اپنی مذکورہ کتاب پر میرا نام لکھ دیا ہے جس سے مولف مذکور کی اخلاقی اقدار کا پتا چلتا ہے۔ میں خرم شہزاد کی اس حرکت کی پُرزور مذمت کرتا ہوں۔'' (المعلن : ابوسیف جمیل احمد)

نوٹ:...... ادارہ **مكتبة الحديث** کی طرف سے بھی واضح ہو کہ مولف مذکور محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے باقاعدہ شاگرد نہیں ہیں۔ انہوں نے شیخ رحمہ اللہ سے کوئی کتاب نہیں پڑھی، ان کی کتاب کا مقدمہ بھی شیخ رحمہ اللہ کے منہج کے منافی ہے۔ (ادارہ **مكتبة الحديث**، حضرو ضلع اٹک)

حافظ ندیم ظہیر

مسند ابی عوانہ اور حدیث رفع الیدین

الحمد لله رب العٰلمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله الأمين، أما بعد:

جب سے بعض الناس نے عدمِ رفع الیدین پر مسند ابی عوانہ سے دلیل پیش کرنا شروع کی ہے علمائے حق اس کی توضیح وتردید کرتے آرہے ہیں، جیسا کہ محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''بعض ناسمجھ لوگوں نے ''لا یرفعهما'' کو پچھلی عبارت سے لگا دیا ہے، حالانکہ دلائل ان کی واضح تردید کرتے ہیں:

1. مسند ابی عوانہ کے مطبوعہ نسخہ سے عمداً یا سہواً ''واؤ'' گرائی گئی ہے یا گر گئی ہے۔ یہ ''واؤ'' مسند ابی عوانہ کے قلمی نسخوں اور صحیح مسلم وغیرہما میں موجود ہے۔ (علامہ سیّد احسان اللہ شاہ الراشدی پیر آف جھنڈا کے نسخہ میں یہ واؤ موجود ہے بلکہ مدینہ طیبہ کے نسخہ میں بھی واؤ موجود ہے۔ والحمدللہ)

2. سعدان کی روایت بھی اثبات رفع الیدین کی تائید کرتی ہے۔

3. ابوعوانہ کی تبویب بھی اسی پر شاہد (گواہ) ہے۔

4. امام شافعی، امام ابوداؤد اور امام حمیدی کی روایات بھی اثبات رفع الیدین عندالرکوع وبعدہ کے ساتھ ہیں جن کے بارے میں ابوعوانہ نے ''نحوه''...... ''بمثله''...... اور ''مثله'' کہا ہے۔

5. اس حدیث کو سابقہ حنفی علماء مثلاً زیلعی (وغیرہ) نے عدم رفع الیدین کے حق میں پیش نہیں کیا۔ اس وقت تک یہ روایت بنی ہی نہیں تھی، لہٰذا وہ پیش کیسے کرتے؟!

معلوم ہوا کہ اس روایت کے ساتھ عدم رفع پر استدلال کرنا غلط، باطل اور چودھویں صدی کی ''بدعت'' ہے۔

مسند ابی عوانہ قدیم دور میں بھی مشہور و معروف رہی ہے۔ کسی ایک امام نے بھی اس کی محولہ بالا عبارت کو ترک و عدم رفع الیدین کے بارے میں پیش نہیں کیا۔''

(نور العینین ص ۸۰، ۸۱)

قارئین کرام! مذکورہ تحریر میں مدینہ طیبہ کے جس نسخے کا ذکر ہے وہ حال ہی میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا ہے جو صحیح ترین اور کامل ہے۔ اس کی بیس (۲۰) جلدیں ہیں اور یہ نسخہ راقم الحروف کی لائبریری میں موجود ہے۔ وللہ الحمد

ہم اس نسخے سے وہی حدیث درج کر رہے ہیں جس سے بعض الناس عدم رفع یدین پر استدلال کرتے ہیں، چنانچہ حدیث پیش خدمت ہے:

حدثنا عبد اللّٰه بن أيوب المخرمي، وسعدان بن نصر، وشعيب بن عمرو في آخرين قالوا: ناسفيان بن عيينة، عن الزهري، عن سالم، عن أبيه، قال: رأيت رسول اللّٰه ﷺ اذا افتتح الصلاة رفع يديه حتى يحاذي بهما۔ وقال بعضهم: حذو منكبيه، واذا أراد أن يركع وبعد ما يرفع رأسه من الركوع ولا يرفعهما، وقال بعضهم: ولا يرفع بين السجدتين: والمعنى واحد. (مسند أبي عوانة ٤/٣١٢)

قارئین! ''لا یرفعھما'' سے پہلے ''و'' روزِ روشن کی طرح واضح ہے، لہٰذا جو لوگ واؤ گرا کر یا محرف نسخے سے اپنا مطلب نکالنے کی سعی نامراد کرتے تھے، مدینہ طیبہ کے اس نسخے کے شائع ہونے کے بعد منہ چھپاتے پھریں گے۔ صحیح یہی ہے کہ حق چھپائے نہیں چھپتا۔ مخالفین کی لاکھ کوشش کے باوجود مسئلہ اثبات رفع الیدین اظہر من الشمس ہے۔ مذکورہ حدیث اور دیگر دلائل سے ثابت ہے کہ تکبیر تحریمہ رکوع جاتے وقت، رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور دو رکعتوں کے بعد تیسری رکعت کے لیے رفع یدین کرنا چاہیے۔



ابو احمد وقاص زبیر

نماز کی اہمیت وفضیلت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الأَمِيْن أَمَّا بَعْدُ:

عبادت ان تمام ظاہری وباطنی اقوال وافعال کا نام ہے جنھیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اوران میں رضائے الٰہی مقصود ہو، لہٰذا اگر یوں کہا جائے کہ پورے کا پورا دین عبادت کے مفہوم میں داخل ہے تو بالکل بجا ہے۔ (العبودية لابن تيمية: 23- 31، تحقيق الشيخ على الحلبى، مجموع الفتاوى: 1/1491، 152)

چنانچہ ہر معبودِ باطل سے کٹ کر اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور صدق دل سے اس کی ربوبیت والوہیت کو مان لینے کے بعد مومنوں پر نماز سے بڑی کوئی عبادت فرض نہیں کی گئی۔ (تعظيم قدر الصلاة للمروزى: 1/85)

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر ایمان کے ساتھ نماز کو جمع کیا ہے، چند مقامات ملاحظہ فرمائیں:

① ﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ (البقرة: 3)

”وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے ہیں۔“

② ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (النساء: 162)

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اور نماز قائم کی اور زکوۃ ادا کی ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے۔“

③ ﴿لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ وَ الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ سَنُؤْتِیْهِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾ (النساء: 162)

"لیکن ان میں سے وہ لوگ جو علم میں پختہ ہیں اور جو مومن ہیں وہ اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف نازل کیا گیا اور جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا اور خاص طور پر نماز قائم کرنے والے ہیں اور جو زکوۃ ادا کرنے والے ہیں اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں، یہی ہیں وہ جنہیں ہم عنقریب عظیم اجر عطا کریں گے۔"

عربی سے تعلق رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ "والمقیمین الصلوۃ" سے قبل اور بعد میں تمام صفات مرفوع ہیں لیکن یہ منصوب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے مومنوں کی خاص صفت اور بطور مدح منصوب رکھا گیا ہے، جیسا کہ سورۂ بقرہ: (۱۷۷) میں صبر کو مومنوں کی خاص صفت قرار دیا گیا ہے۔ (تفسیر القرطبی: 6/ 13؛ تفسیر ابن کثیر: 426/2؛ معانی القرآن وإعرابه للزجاج: 2/ 1،٦ ؛ دارالحدیث القاهره، إعراب القرآن للنحاس، ص:261؛ دارالمعرفة)

④ ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۚۖ ﴿۲﴾ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ﴾ (الانفال: 4/2)

"حقیقی مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو انہیں ایمان میں زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔ وہ جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو انہیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں، یہی لوگ سچے مومن ہیں،

انہیں کے لیے ان کے رب کے پاس بہت سے درجات، بڑی مغفرت اور عزت والا رزق ہے۔''

⑤ ﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴾ (الأنعام: 92)

''اور جولوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔''

الغرض قرآن کریم میں ایک سے زائد مقامات ایسے ہیں جن میں نماز کو ایمان کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا، نیز دیکھئے: البقرة: ١٧٧، النساء: ١-٣، المائدة: ١٢-٥٥، التوبة: ١٨- ٧١، يونس: ٨٧، إبراهيم: ١٣، النمل: ١-٣ المؤمنون: ١-١١، المنفقون: ٩، وغير ذلك۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ایک مقام پر نماز کو ایمان قرار دیا ہے، چنانچہ سیدنا براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تحویل قبلہ سے قبل بہت سے لوگ پہلے قبلہ کی طرف (نماز پڑھنے کے دنوں میں) قتل ہو کر فوت ہو چکے تھے۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ ان کے بارے میں کیا کہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ﴾ (البقرة: 143)

''اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہارا ایمان ضائع کردے۔''

(صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب الصلاة من الإيمان: 40)

اس آیت کی وضاحت میں ائمہ محدثین نے نماز کو ایمان ہی میں سے قرار دیا ہے۔

امام اہل سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فَجَعَلَ صَلَاتَهُمْ إِيْمَانًا، فَالصَّلَاةُ مِنَ الإِيْمَانِ''

اللہ تعالیٰ نے ان کی نماز کو ایمان قرار دیا، لہٰذا نماز ایمان میں سے ہے۔

(السنة للخلال: ١٠٣٤، وسنده صحيح)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر باب قائم کیا:

"بَابُ الصَّلَاةِ مِنَ الإِيْمَانِ"

نماز ایمان میں سے ہے۔(صحيح البخاری، قبل حديث : ٤٠)

امام محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَسَمَّاهَا اللّٰهُ إِيْمَانًا، وَإِسْلَامًا، وَدِيْنًا"

اللہ تعالیٰ نے نماز کا نام ایمان، اسلام اور دین رکھا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَأَجْمَعُ الْمُفَسِّرُونَ عَلَى أَ نَّهُ أَرَادَبِهِ صَلَاتَكُمْ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَثَبَتَ أَنَّ الصَّلَاةَ إِيْمَانٌ، وَإِذَاثَبَتَ ذٰلِكَ فَكُلُّ طَاعَةٍ إِيْمَانٌ." (شعب الإيمان: 101/1؛ مزید دیکھئے: كتاب المنهاج في شعب الإيمان للحليمي: 1/ 37)

"اور مفسرین کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس سے مراد بیت المقدس کی طرف (پڑھی ہوئی) تمہاری نماز ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ نماز ایمان ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا تو ہر (عمل میں) اطاعت ایمان ہے۔

امام ابوالقاسم الآجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إِنَّ الصَّلَاةَ مِنَ الإِيْمَانِ، وَمَنْ لَمْ يُصَلِّ فَلَا إِيْمَانَ لَهُ وَلَا إِسْلَامَ" (الشريعة للآجرى: ٢/ ٦٥٤۔ نیز دیکھئے: (سنن أبى داود، قبل حديث:٤٦٨؛ صحيح ابن حبان، قبل حديث: ١٧١٧)

"بے شک نماز ایمان میں سے ہے اور جو نماز نہ پڑھے تو اس کا نہ ایمان ہے اور نہ اسلام۔"

اللہ رب العزت کا بارہا دفعہ نماز اور ایمان کو ایک جگہ جمع کرنا حتیٰ کہ نماز کو ایمان قرار دینے کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ بندہ جب ایمان لاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود برحق اور

الٰہ تسلیم کرتا ہے، اس لیے اب اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت و بندگی فرض اور لازم آتی ہے اور عبادت کا سب سے عظیم اور اعلیٰ مظہر نماز ہے۔ اگر بندہ شہادتین کا زبان سے اقرار کر لینے کے بعد نماز ادا نہ کرے تو اس کے ایمان اور شہادتین کا کیا اعتبار......؟؟

سابقہ امم اور انبیاء کرام علیہم السلام کو حکمِ نماز

سابقہ بحث سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک نماز کی قدر و منزلت کا پتا چلتا ہے اور اس سے اس کی رفعت و عظمت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ امم اور انبیائے اکرام علیہم السلام کو بھی نماز کا حکم دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ﴾ (البینة: ۵)

''اور انہیں یہی حکم دیا گیا کہ اس کے لیے بندگی کو خالص کرتے ہوئے اللہ ہی کی عبادت کریں یک سو ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں اور یہی مضبوط ملت کا دین ہے۔''

اس آیت میں دین کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے کہ پچھلی امتیں ہوں یا امت محمدیہ ﷺ سب کے لیے یہی حکم ہے کہ اخلاص اور یکسوئی سے اللہ کی عبادت کریں اور نماز اور زکوۃ کو پابندی سے ادا کریں، یہی سیدھا اور مضبوط دین ہے۔

معلوم ہوا کہ نماز کا حکم پچھلی امتوں کو بھی تھا، اسی طرح اللہ احکم الحاکمین نے انبیاء و رسل کو بھی نماز کا خاص حکم دیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کو حکمِ نماز

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ○ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ (طہ:۵)

''اور میں نے آپ کو چن لیا ہے، پس آپ کو جو وحی کی جاتی ہے غور سے سنیے،

بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے علاوہ کوئی الہٰ نہیں، سو میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز کو قائم کرو۔"

عیسیٰ علیہ السلام کو حکم نماز

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ ۟ؕ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیۡ نَبِیًّا ﴿ۙ۳۰﴾ وَّ جَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا اَیۡنَ مَا کُنۡتُ ۪ وَ اَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ مَا دُمۡتُ حَیًّا ﴾

(مریم: ۳۰۔ ۳۱)

"اس نے کہا: میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے اور میں جہاں بھی ہوں مجھے برکت والا بنایا ہے، اور میں جب تک زندہ رہوں اس نے مجھے نماز اور زکوۃ کی وصیت کی ہے۔"

اس آیت میں بھی عیسیٰ علیہ السلام نے جو سب سے پہلی بات کی اس میں نماز کو مرتے دم تک ادا کرنے کی وصیت کا ذکر ہے، اسی طرح کا حکم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیا گیا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ اعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ ﴾

"اور اپنے رب کی عبادت کر حتی کہ آپ کے پاس یقین (موت کا وقت) آجائے۔"

ابراہیم علیہ السلام کو نمازیوں کے لیے بیت اللہ صاف رکھنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ اِذۡ بَوَّاۡنَا لِاِبۡرٰہِیۡمَ مَکَانَ الۡبَیۡتِ اَنۡ لَّا تُشۡرِکۡ بِیۡ شَیۡئًا وَّ طَہِّرۡ بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَ الۡقَآئِمِیۡنَ وَ الرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ ﴾(الحج: ۲۶)

"اور جب ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ کے مقام کی نشاندہی کی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر، اور میرے گھر کو طواف کرنے

والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے پاک کر۔"

امام قتادہ رحمہ اللہ "القائمین" کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "الْقَائِمُونَ الْمُصَلُّونَ" یعنی قیام کرنے والوں سے مراد "نماز قائم کرنے والے" ہیں۔

(تفسیر الطبری: ۸/ ۱۷۶۔ وسندہ حسن۔ ط۔ دارالحدیث القاھرۃ)

اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کو حکمِ نماز

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَ يَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ﴾ (الأنبیاء: ۷۲۔۷۳)

"اور ہم نے اسے (ابراہیم) کو اسحاق عطا کیے اور زائد عطیہ کے طور پر یعقوب عطا کیے اور ان سب کو ہم نے نیک بنایا اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا کہ وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیکیوں کے کام کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے کی وحی بھیجی اور وہ صرف ہماری عبادت کرنے والے تھے۔"

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو حکمِ نماز

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ (طه: ۱۳۲)

"اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور (خود بھی) اس پر خوب پابند رہیں۔"

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَ اصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ (مریم: ٦٥)

"آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے کا رب! آپ اسی

کی عبادت کریں اوراس کی عبادت پرخوب پابند رہیں، کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں؟''

یہ ان بعض مقامات کا تذکرہ ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو نماز کا حکم دیا اور اس پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کی، اسی طرح انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی اپنے گھر والوں اور اپنی قوم کو نماز کا حکم دیا اور اپنے رب سے اس پر ثابت قدم رہنے کی دعائیں والتجائیں کیں۔

اسماعیل علیہ السلام کا اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دینا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ کَانَ یَاۡمُرُ اَہۡلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ ۪ وَ کَانَ عِنۡدَ رَبِّہٖ مَرۡضِیًّا﴾

(مریم: ٥٥)

''اور وہ (اسماعیل علیہ السلام) اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتے تھے اور اپنے رب کے ہاں پسندیدہ تھے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نماز

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو فرمایا:

((فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَومٍ وَلَيْلَةٍ)) (صحيح البخارى، كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة: ١٣٩٥، صحيح مسلم، كاتب الإيمان، باب الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام: ١٩ (١٢١)

''یعنی اگر وہ عقیدہ توحید ورسالت پر ایمان لے آئیں تو انہیں حکم دینا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔''

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب کوئی مسلمان ہوتا تو اسے سب سے پہلے نماز ہی سکھاتے

تھے، چنانچہ سیدنا طارق بن اشیم الاشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَسْلَمَ الرَّجُلُ كَانَ أَوَّلَ مَا يُعَلِّمُنَا الصَّلَاةَ، أَوْ قَالَ: عَلَّمَهُ الصَّلَاةَ.“ (إسناده صحيح، مسند البزار: ٧/ ١٩٧؛ واللفظ له، المعجم الكبير للطبراني: ٨/ ٣٨، ح : ٨١٨٦)

جب کوئی شخص مسلمان ہوتا تو رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے ہمیں نماز سکھاتے تھے۔ یا فرمایا: اسے نماز سکھاتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مُرُوا صِبْيَانَكُمْ بِالصَّلَاةِ إِذَا بَلَغُوا سَبْعًا، وَاضْرِبُوهُم عَلَيْهَا إِذَا بَلَغُوا عَشْرًا، وَفَرِّقُوا بَيْنَهُم فِي الْمَضَاجِعِ“ (إسناده حسن، سنن أبى داود، كتاب الصلاة، باب حتى يؤمر الغلام بالصلوة: ٤٩٥، ٤٩٤؛ سنن الترمذى، أبواب الصلاة، باب ما جاء حتى يؤمر الصبى بالصلاة: ٤٠٧؛ مسند أحمد: ٢/ ١٨٠؛ واللفظ له)

”اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کو پہنچ جائیں اور اس کے (ترک) پر انہیں مارو جب وہ دس سال کی عمر کو پہنچ جائیں اور ان کے بستر جدا جدا کر دو۔“

ابراہیم علیہ السلام اور نماز پر ثابت قدم رہنے کی دعائیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ﴾ (ابراهيم: ٣٧)

”اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد کو اس وادی میں جو کھیتی والی نہیں، تیرے حرمت والے گھر کے پاس لا بسایا ہے، اے ہمارے رب! تا کہ وہ نماز قائم کریں۔“

ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو بیت اللہ کے پاس اس لیے چھوڑا کہ وہ نمازی بن جائیں، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو گھر اس جگہ بنانا چاہیے جہاں مسجد قریب ہو (تفسیر طبری: ۷/ ۱٤، تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۷۸۹) یا گھر بنائے تو سب سے پہلے مسجد تعمیر کرے تا کہ خود بھی اور اس کی اولاد بھی اللہ کی شکر گزار اور نمازی رہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو جس جگہ آپ کی اونٹنی بیٹھی اسی جگہ سب سے پہلے مسجد تعمیر کی۔ (صحیح البخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبی: ۳۹۰٦، ٤۲۸)

بیت اللہ کے پاس چھوڑنے کے بعد بھی اللہ کے خلیل اور جد الانبیاء ابراہیم علیہ السلام کی حالت یہ ہے کہ دعا فرما رہے ہیں:

﴿ رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ٭ۖ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلۡ دُعَآءِ . . . ﴾

(ابراهيم: ٤٠)

”اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا، اے ہمارے رب! اور میری دعا قبول فرما۔“

امام محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ (م ۲۹۴) فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل نے انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے، ایک ایک نبی کا ذکر فرمایا اور ان کے اوصاف بیان کیے۔ پھر فرمایا:

﴿ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ مِنۡ ذُرِّیَّۃِ اٰدَمَ ٭ وَ مِمَّنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ۫ وَّ مِنۡ ذُرِّیَّۃِ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡرَآءِیۡلَ ۫ وَ مِمَّنۡ ہَدَیۡنَا وَ اجۡتَبَیۡنَا ؕ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُ الرَّحۡمٰنِ خَرُّوۡا سُجَّدًا وَّ بُکِیًّا ﴾

(مريم: ٥٨)

”یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء میں سے انعام کیا، اولادِ آدم میں سے اور ان لوگوں میں سے جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا اور

ابراہیم اور اسرائیل (یعقوب) کی اولاد میں سے اور ان لوگوں میں سے جنہیں ہم نے ہدایت دی اور چن لیا۔ جب ان پر رحمان کی آیات پڑھی جاتی ہیں وہ سجدہ کرتے اور روتے ہوئے گر جاتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کے متعلق خبر دی کہ ان کی پناہ گاہ نماز ہوتی تھی، وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور اسی نماز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتے تھے۔ بعد والے لوگوں نے جب اس سلسلے میں سستی و غفلت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا﴾ (مریم: ۵۹)

''پھر ان کے بعد ایسے ناخلف و نالائق جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع (ترک) کر دیا اور خواہشات کے پیچھے لگ گئے تو وہ عنقریب جہنم یا گمراہی کو ملیں گے۔''

یعنی (غَيٌّ) جہنم میں ایک وادی کا نام ہے۔

(تعظیم قدر الصلاۃ للمروزی: ۱/ ۱۱۳)

گویا نماز کا حکم اور عمل مسلسل چلا آ رہا ہے جس سے کوئی نبی اور کوئی امت مستثنیٰ نہیں رہی، اسی عملِ مسلسل کی دلیل سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایت بھی ہے جس میں جبریل علیہ السلام نے مسلسل دو دن آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف وقتوں میں نماز کی امامت کروائی، پھر فرمایا:

((يَا مُحَمَّدُ! هٰذَا وَقْتُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ، وَالْوَقْتُ مَابَيْنَ هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ)) (إسناده حسن، سنن أبی داود، كتاب الصلاة، باب في المواقيت: ۳۹۳؛ سنن الترمذي أبواب الصلاة، باب ماجاء في مواقيت الصلاة عن النبي: ۱۳۹)

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! یہ وقت ہے آپ سے پہلے انبیاء کا اور (نماز) کا وقت ان دو

وقتوں کے درمیان ہے۔‘‘

لیکن پھر کچھ ایسے ناخلف اور نالائق قسم کے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا، اس کی محافظت کی پروا نہ کی، انہوں نے اس کا خیال نہ رکھا کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کو ایمان کے ساتھ جمع کیا بلکہ اسے ایمان قرار دیا ہے، سابقہ تمام امتوں کو نماز قائم کرنے کا حکم تھا، کوئی نبی اور رسول اس حکم سے مستثنیٰ نہ تھا اور نہ ان میں سے کوئی اسے ضائع کرنے والا تھا، وہ تو اپنے گھر والوں اور اپنی قوم کو اس کی نہ صرف تلقین کرتے تھے، بلکہ اللہ مالک الملک سے اسے قائم رکھنے کی دعائیں والتجائیں بھی کرتے تھے۔

نماز ضائع کرنے والوں نے گویا اللہ تعالیٰ پر ایمان، اسے اپنا الٰہ اور معبودِ برحق ماننے اور اس کی شہادت کا ذرا خیال نہ کیا، اس کی عبادت یعنی اقامت نماز سے منہ موڑ لیا۔ ایسے ہی لوگ اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور وعیدِ شدید کے مستحق بنے اور پھر اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے ایمان لانے اور شہادتین کا اعتبار نہیں کیا بلکہ اسے کفر وشرک سے تعبیر کیا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾

(الروم: ۳۱)

’’اسی کی طرف رجوع کیے رہو اور اس سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔‘‘

﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ﴾

(التوبة: ۵)

’’پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔‘‘

نیز فرمایا:

﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ ۗ وَنُفَصِّلُ

الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ﴾ (التوبة: ١١)

''اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمھارے بھائی ہیں۔''

اسی طرح صحیح احادیث میں واضح طور پر نماز چھوڑنے کو کفر وشرک ہی سے تعبیر کیا ہے، چنانچہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

((إِنَّ بَیْنَ الرَّجُلِ وَبَیْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ)) (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان إطلاق اسم الکفر علی من ترك الصلاة: ٨١ (٢٤٤)

''بلاشبہ آدمی اور شرک وکفر کے درمیان (فرق محض) نماز کا چھوڑنا ہے۔''

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْعَهْدُ الَّذِي بَیْنَنَا وَبَیْنَهُم الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ))

(إسناده صحیح، سنن الترمذی، أبواب الإیمان، باب ماجاء في ترك الصلاة: ٢٦٢١)

''ہمارے اور ان (کافروں) کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے، پس جس نے اسے ترک کردیا اس نے کفر کیا۔''

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ صَلَّی صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَأَكَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذَلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ اللَّهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ، فَلَا تُخفِرُوا اللَّهَ فِي ذِمَّتِهِ))

(صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب استقبال القبلة: ١٩٣، ٣٩٣)

''جو ہماری نماز ادا کرے، ہمارے قبلے کی جانب رخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ مسلمان ہے، اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذمہ ہے۔ پس تم اللہ کے ذمے کو مت توڑو۔''

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا ذکر کیا تو فرمایا:

((مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُورًا وُبُرْهَانًاوَنَجَاةً يَومَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ نُورٌ وَلَا بُرْهَانٌ وَلَا نَجَاةٌ، وَكَانَ يَومَ الْقِيَامَةَ مَعَ قَارُونَ وَفِرْعَونَ وَهَامَانَ وَأُبَيِّ بْنِ خَلْفٍ)) (إسناده حسن، مسند أحمد: ٢/ ١٦٩، مسند عبدبن حميد: ٣٥٣، سنن الدارمی: ٢٧٦٣، المعجم الكبير للطبرانی)

''جس شخص نے نماز کی حفاظت و پابندی کی تو اس کے لیے (نماز) قیامت کے دن نور، دلیل اور نجات کا باعث ہوگی اور جس نے اس کی حفاظت نہ کی تو اس کے لیے نہ نور ہوگا، نہ برہان ونجات ہی ہوگی اور وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔''

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چار کا ذکر خاص طور پر کیا ہے، کیونکہ یہ کفر کے سرداروں میں سے ہیں، اور اس حدیث میں ایک عجیب نکتہ یہ ہے کہ بے شک نماز کی حفاظت نہ کرنے والے کو اس کا مال مشغول کر دیتا ہے یا اس کی بادشاہت یا اس کی ریاست یا اس کی تجارت:

تو جسے اس کا مال نماز سے مشغول کردے وہ قارون کے ساتھ ہوگا۔

جسے اس کی بادشاہت نماز سے مشغول کردے تو وہ فرعون کے ساتھ ہوگا۔

جسے اس کی ریاست وزارت میں سے یا اس کے سوا، مشغول کردے تو وہ ہامان کے ساتھ ہوگا۔

اور جسے اس کی تجارت نماز سے مشغول کردے تو وہ اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

(کتاب الصلاة لابن القیم، ص : ٧٠ ؛ ط، دار عالم الفوائد)

امام عبداللہ بن شقیق العقیلی التابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”كَانَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الأَعْمَالِ تَرْكُهُ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلَاةِ“ (إسناده صحيح، سنن الترمذی، أبواب الإيمان، باب ماجاء فی ترك الصلاة: ٢٦٢٢)

محمد ﷺ کے اصحاب اعمال میں سے کسی کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے، سوائے نماز کے

ان دلائل سے ترکِ نماز کے خطرات اور دنیا و آخرت میں بے نماز کا انجام معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس کا جرم بہت بڑا اور سنگین ہے۔ واللّٰه المستعان۔

اب چند ان احادیث و واقعات کا ذکر کرتے ہیں جن میں نبی کریم ﷺ اور سلف صالحین کا نماز کے لیے حرص اور شوق کا پتا چلتا ہے۔

امام اسود رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کیسی تھی؟ انہوں نے فرمایا:

”كَانَ يَنَامُ أَوَّلَهُ وَيَقُومُ آخِرَهُ فَيُصَلِّي، ثُمَّ يَرجِعُ إِلَى فِرَاشِهِ، فَإِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ وَثَبَ، فَإِنْ كَانَتْ بِهِ حَاجَةٌ اغْتَسَلَ وَإِلَّا تَوَضَّأَ وَخَرَجَ“ (صحيح البخاری، كتاب التهجد، باب من نام أول الليل وأحيا آخره: ١١٤٦؛ صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبی ﷺ : ٧٣٩ (١٧٢٨))

آپ ﷺ رات کے پہلے حصے میں سو جاتے اور آخری حصے میں اٹھتے اور نماز (تہجد) ادا فرماتے، پھر اپنے بستر میں تشریف لے جاتے تو جب مؤذن اذان کہتا تو جلدی سے اٹھ کھڑے ہوتے، اگر کوئی حاجت ہوتی تو غسل کرتے وگرنہ وضو کرتے اور نماز کے لیے نکل جاتے۔

اس عظیم حدیث سے پیارے نبی ﷺ کا نماز کے لیے شوق وحرص معلوم ہوتا اس حدیث کے پیش نظر ہمیں اپنی حالت پر غور کرنا چاہیے۔ وباللّٰہ التوفیق۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جہینہ (قبیلے) کے ایک گروہ کے ساتھ جنگ کی تو انہوں نے ہمارے ساتھ شدید لڑائی کی، جب ہم نے ظہر کی نماز ادا کر لی تو مشرکین نے کہا: کاش! ہم ان پر یکبارگی حملہ کرتے تو ان کی جڑ کاٹ دیتے۔

جبریل علیہ السلام نے اس بات کی خبر رسول اللہ ﷺ کو دی تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس بات سے آگاہ فرمایا۔

(جابر رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں: ان مشرکوں نے کہا: ”إِنَّهُ سَتَأْتِيهِمْ صَلَاةٌ هِيَ أَحَبُّ إِلَيْهِمْ مِنَ الأَوْلَادِ“ بے شک جلد ہی ان کے پاس ایک اور نماز کا وقت آئے گا جو انہیں ان کی اولاد سے بھی زیادہ محبوب اور عزیز ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ الخوف: ۸۴۰ (۱۹۴۶)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نماز سے اور خاص طور پر نماز عصر سے اس قدر محبت کہ دشمن بھی گواہی دینے پر مجبور ہے۔

سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس اس رات گئے جس میں انہیں زخمی کیا گیا تھا تو انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو صبح کی نماز کے لیے جگایا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”نَعَمْ، وَلَا حَظَّ فِي الإِسْلَامِ لِمَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ، فَصَلَّى عُمَرُ، وَجُرْحُهُ يَثْعَبُ دَمًا.“ (إسناده صحيح، المؤطأ للمالك: ۱/ ۲٦؛ سنن الدارقطنى، باب التشديد فى ترك الصلاة وكفر من تركها، والنهى من قتل فاعلها: ۲/ ۵۱؛ السنن الكبرى للبيهقى: ۳/ ۵۱؛ باب ماجاء فى تكفير من ترك الصلاة عمداً من غيرعزر)

جی ہاں، اور دین اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں جو نماز ترک کردے، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ (نے اٹھ کر) نماز ادا کی اور آپ کا زخم خون بہا رہا تھا۔"

یاد رہے آپ رضی اللہ عنہ کا زخم اتنا گہرا اور شدید تھا کہ پیٹ اور اس کی رگیں بالکل کٹ چکی تھی، نبیذ اور دودھ پلایا گیا تو وہ بھی پیٹ سے باہر آ گیا ایسی حالت کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی پہچان لیا کہ اب آپ زندہ نہیں رہیں گے، لیکن اس کے باوجود نماز کا کتنا خیال اور اہتمام ہے۔ اللّٰہ أکبر! (دیکھئے: صحیح البخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ، باب قھة البیعة: ۳۷۰۰۔ طبقات الشافعیة الکبری للسبکی: ۹/ ۱۰۵، ۱۰۶۔)

حافظ تاج الدین السبکی نے اپنے استاذ الامام الحافظ شمس الدین أبوعبداللہ الذہبی رحمہ اللہ کے قرب وفات کا واقعہ لکھا کہ (امام ذہبی رحمہ اللہ) کے والد نے انہیں مغرب سے پہلے دیکھا تو وہ جانکنی کی حالت میں تھے، انہوں نے پوچھا: کیسا محسوس کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: آخری سانس لے رہا ہوں، پھر انہوں نے اپنے والد سے پوچھا: کیا مغرب کا وقت داخل ہو چکا ہے؟ تو والد نے ان سے کہا: کیا آپ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں، لیکن میں نے اب تک مغرب کی نماز نہیں پڑھی۔ اور انہوں نے اپنے والد سے مغرب اور عشاء کو تقدیماً جمع کرنے کا سوال کیا تو انہوں نے اس کا فتوی دیا، پھر انہوں نے ایسے ہی کیا اور عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد آدھی رات سے پہلے وفات پا گئے۔

اصل میں یہ اسی وصیت پر عمل کا بہترین نمونہ ہے جو نبی کریم ﷺ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت کی تھی، چنانچہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ آخِرُ كَلَامِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: ((الصَّلَاةُ الصَّلَاةُ، اِتَّقُوا اللّٰهَ فِيمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ))

رسول اللہ ﷺ کا آخری کلام (وصیت) یہ تھا: ''نماز نماز، اور اپنے غلاموں کے معاملے میں اللہ سے ڈرنا۔''

مذکورہ بالا واقعہ میں امام ذہبی رحمہ اللہ کا ورع، تقویٰ اور پیارے نبی ﷺ کی وصیت پر عمل کرنے کی حرص وشوق کا عملی نمونہ ہے اس کے باوجود عاجزی وانکساری کا عالم دیکھیں کہ ایک روایت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فِي الإسْنَادَيْنِ ضَعْفٌ مِنْ جِهَةِ زَاهِرٍ وَ عُمَرَ لِإِخْلَالِهِمَا بِالصَّلَاةِ، فَلَوكَانَ فِيَّ وَرَعٌ لَمَا رَوَيْتُ لِمَنْ هَذَا نَعْتُهُ''

''قارئین کرام! ہر مسلمان کے لیے بالعموم اور قرآن وحدیث پڑھنے والوں اور ان کی طرف پاکیزہ اور عظیم نسبت رکھنے والوں کے لیے بالخصوص بہت بڑی نصیحت ہے کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کی عبادت کا عظیم مظہر ''نماز'' کا خاص خیال رکھیں اور آخری سانس تک اسے ضائع اور ترک نہ کریں۔



تین قسم کے لوگ......

سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''تین (قسم کے لوگ ایسے) ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کلام نہیں کرے گا، روزِ قیامت ان کی طرف دیکھے گا (بھی) نہیں، انھیں (گناہوں سے) پاک نہیں کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔'' آپ نے یہ تین بار فرمایا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: (وہ لوگ) ناکام ہوئے اور نقصان سے دوچار ہوگئے۔ اے اللہ کے رسول! یہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''اپنا ازار (کپڑا ٹخنوں سے) نیچے لٹکانے والا، احسان جتانے والا اور جھوٹی قسم سے اپنے سامان کی مانگ بڑھانے والا۔''

(صحیح مسلم:۱۰۶)

حافظ شیر محمد الاثری

نبی کریم ﷺ کا محبوب شہر: مدینہ طیبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلاَةُ وَ السَّلاَمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْأَمِیْنِ، أَمَّا بَعْدُ:

اس زمین پر مکہ اور مدینہ وہ دو عظیم شہر ہیں جن کی محبت ہر اس دل میں بسی ہوئی ہے جس میں ایمان موجود ہے، ہر مسلمان ان شہروں کو دیکھ کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے بے چین رہتا ہے۔ اہل ایمان ہمیشہ ان کی عظمت و حرمت کا پاس رکھتے ہیں جو اغیار و کفار کو ایک آنکھ نہیں بھاتا، وہ ان کے تقدس کو پامال کرنے کے لیے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ زیرِ نظر سطور میں مدینہ طیبہ کے فضائل لکھنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ اہل اسلام کے دلوں میں ان پاکیزہ شہروں کی محبت اجاگر ہو اور وہ اغیار و کفار کی کسی بھی چال کا کبھی حصہ نہ بنیں۔

یثرب سے مدینہ

مدینہ طیبہ کو پہلے ''یثرب'' کہا جاتا تھا، جیسا کہ منافقین کا قول بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ اِذۡ قَالَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ یٰۤاَهۡلَ یَثۡرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمۡ فَارۡجِعُوۡا ۚ﴾

''اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا: اے اہل یثرب! تمھارے لیے ٹھہرنے کی کوئی صورت نہیں، پس لوٹ چلو۔'' (33/ الاحزاب:13)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَأْكُلُ الْقُرٰى يَقُوْلُوْنَ: يَثْرِبُ، وَهِيَ الْمَدِيْنَةُ تَنْفِي النَّاسَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ))

''مجھے ایک بستی کے بارے میں حکم دیا گیا ہے جو دوسری بستیوں کو کھاتی (یعنی

ان پر غالب آتی) ہے۔لوگ اسے یثرب کہتے ہیں اور وہ مدینہ ہے (بُرے) لوگوں کو (یہ بستی) اس طرح باہر نکال دیتی ہے جس طرح بھٹی لوہے کا زنگ وغیرہ باہر نکال دیتی ہے۔"(صحیح بخاري:1871، صحیح مسلم: 1382،موطأ امام مالك: 511 واللفظ له)

نبی کریم ﷺ جب مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے آئے، اس کے بعد سے یہ مدینہ طیبہ کے نام ہی سے معروف ہے، اب صرف اسی نام سے پکارنا چاہیے۔

مدینہ طیبہ کے لیے نبی کریم ﷺ کی دعائیں

مدینے کی محبت کے لیے آپ نے یوں دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ))

"اے اللہ! ہمارے دلوں میں مدینہ کی محبت مکہ جیسی یا اس سے بھی زیادہ ڈال دے۔"(صحیح بخاري:1889)

مدینہ کے صاع و مُد میں برکت کے لیے یوں دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا وَ فِيْ مُدِّنَا وَ صَحِّحْهَا لَنَا وَ انْقُلْ حُمَّاهَا إِلَى الْجُحْفَةِ))

"اے اللہ! ہمارے صاع اور مُد (کے پیمانوں) میں برکت عطا فرما اور مدینے کی فضا ہمارے لیے موافق بنادے اور اس کا بخار جحفہ منتقل کر دے۔"

(صحیح بخاری:1889)

نبی کریم ﷺ نے مدینہ کے لیے دوگنی برکت کی دعا یوں فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِيْنَةِ ضِعْفَيْ مَا جَعَلْتَ بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ))

"اے اللہ! مدینہ میں مکہ سے دوگنی برکت عطا فرما۔" (صحیح بخاری:1885)

مدینہ بہترین لوگوں کا عمدہ مسکن ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مدینہ تو زرگر کی بھٹی کی طرح ہے، زنگار اور میل کچیل کو



نکال دیتا ہے اور عمدہ کو نکھار دیتا ہے۔" (صحيح بخاري:7211، صحيح مسلم: 1383، موطأ امام مالك: 85)

سیدنا سفیان بن زہیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: "یمن فتح ہوگا، پھر ایک قوم آئے گی (اور مدینہ سے نکل کر) وہ اپنے گھر والوں اور ماتحتوں کو اپنے ساتھ لے جائیں گے، حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر ہوگا اگر وہ جانتے ہوتے۔ عراق فتح ہوگا، پھر ایک قوم آئے گی جو اپنے گھر والوں اور ماتحتوں کو لے کر سفر کریں گے، حالانکہ ان کے لیے مدینہ بہتر ہوگا اگر وہ جانتے ہوتے اور شام فتح ہوگا، پھر ایک قوم آئے گی جو اپنے گھر والوں اور ماتحتوں کو لے کر سفر کریں گے اور ان کے لیے مدینہ بہتر ہوگا اگر وہ جانتے ہوتے۔"

(صحيح بخاري: 1875، صحيح مسلم: 1388، موطأ امام مالك:479)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ سے محبت

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینے کے در و دیوار دیکھتے تو سواری تیز بھگاتے اور جس جانور پر سوار ہوتے اسے مدینے کی محبت کی وجہ سے (تیز بھگانے کے لیے) حرکت دیتے۔

(صحيح بخاري: 1802)

مدینہ میں طاعون اور دجال داخل نہیں ہو سکتے

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عَلٰى أَنْقَابِ الْمَدِيْنَةِ مَلاَئِكَةٌ ، لاَ يَدْخُلُهَا الطَّاعُونُ وَلاَ الدَّجَّالُ))

"مدینے کے راستوں پر فرشتے ہیں، اس میں طاعون اور دجال داخل نہیں ہو سکتے۔" (صحيح البخاري: 1880، صحيح مسلم:1379، موطأ إمام مالك:270)



مدینے کی مصیبتوں پر صبر کرنے کی فضیلت

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے غلام یحنس رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس فتنے (مسلمانوں کی باہمی جنگ) کے دور میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کی ایک لونڈی سلام کرنے کے لیے آئی تو عرض کیا: اے ابوعبدالرحمٰن! میں (مدینے سے) نکل جانا چاہتی ہوں، ہم پر حالات بہت سخت ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: اے کم عقل! بیٹھ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''مدینے کی مصیبتوں اور سختیوں پر جو بھی صبر کرے گا تو میں قیامت کے دن اس پر گواہ یا اس کا سفارشی ہوں گا۔''

(صحيح مسلم: 482/1377، موطأ إمام مالك: 406)

مدینہ حرم ہے

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُحد (پہاڑ) کو دیکھا تو فرمایا:

((هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ، اَللّٰهُمَّ ! إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَإِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لاَ بَتَيْهَا))

''یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اے اللہ! ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرم قرار دیا اور میں ان دو کالی زمینوں کے درمیان (مدینہ) کو حرم قرار دیتا ہوں۔''

(صحيح البخاري : 3367، موطأ إمام مالك: 403)

مدینہ کے بعض مقامات کی فضیلت

سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ))

''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ

ہے۔'' (صحيح البخاري: 1195، صحيح مسلم:1390، موطأ إمام مالك:154)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا بَيْنَ بَيْتِي ومِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الجَنَّةِ وَمِنْبَرِي عَلٰى حَوْضِي))

''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان (کی زمین) جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔''

(مسند أحمد2/465،533، موطأ إمام مالك: 154، صحيح)

اُحد پہاڑ

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُحد (پہاڑ) کو دیکھا تو فرمایا:

((هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ))

''یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔''

(صحيح البخاري : 3367،موطأ إمام مالك:403)



فضائل طواف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص بیت اللہ کا طواف کرے اور دو رکعت نماز پڑھے تو اسے غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔'' (ابن ماجه : ٢٩٥٦ وسنده حسن)

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے بیت اللہ کا سات چکر میں طواف کرلیا تو اللہ تعالیٰ ہر ہر قدم پر اس کے گناہ معاف فرماتا ہے، ہر ہر قدم پر نیکی لکھتا ہے اور ہر ہر قدم پر درجہ بلند کرتا ہے۔'' (الترمذی : ٩٥٩ وسنده حسن)

تحقیق وتنقید حافظ ندیم ظہیر

مقالہ ''سند کتاب اور منہج محدثین'' پر ایک نظر

الحمدلله رب العلمین والصلوٰة والسلام علی رسوله الأمین، أما بعد:

کسی بھی کتاب کو ثابت یا غیر ثابت قرار دینے میں محدثین کا کیا منہج ہے؟ اس سلسلے میں محترم جناب محمد خبیب احمد صاحب نے ''سند کتاب اور منہج محدثین'' کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا جو ہفت روزہ الاعتصام (جلد ۶۷ شمارہ: ۲۴، ۲۵، ۲۶) میں مسلسل تین قسطوں میں شائع ہوا۔

فاضل مقالہ نگار نے کافی محنت کی ہے، لیکن اکثر و بیشتر مقامات پر ان کا قلم متذبذب و مضطرب نظر آیا۔ جس کی محض نشاندہی کے لیے چند گزارشات صفحہ قرطاس پر منتقل کی جارہی ہیں۔ خبیب صاحب کے مضمون کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: ❶ سند کتاب میں منہج محدثین ❷ العلل الکبیر اور سؤالات آجری کو ثابت کرنے کی کوشش

موصوف کے مضمون کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جو اصول انھوں نے آغازِ مضمون میں بیان کیے ہیں ان میں سے کسی اصول کو بھی العلل الکبیر اور سؤالات آجری کے ثابت کرنے میں پیش نہیں کیا گیا جو اپنے ہی بیان کردہ اصولوں سے واضح انحراف ہے۔

❀ خبیب صاحب ''صحت کتاب کی شرائط'' میں لکھتے ہیں: ''مولف یا مصنف خود ثقہ یا کم از کم قابل اعتماد ہو.......... ناسخ یا مالک مخطوط سے مولف تک سند صحیح، حسن یا کم از کم قابل اعتبار ہو۔'' (الاعتصام شمارہ ۲۴ ص ۲۰، ۲۱)

تجزیہ: یہاں ایک طرف تو موصوف صحت کتاب کی شرائط میں ''ثقہ، سند صحیح، حسن'' وغیرہ کی قید لگا رہے ہیں، دوسری طرف خود لکھتے ہیں: ''اگر حدیث پرکھنے کے قواعد سند کتاب پر لاگو کیے جائیں تو بہت سی ایسی کتب کالعدم ہو جائیں گی جن کا محدثین نے اعتبار کیا ہے۔'' (حوالہ مذکورہ)

نیز لکھتے ہیں: ''انھوں (محدثین) نے حدیث کی صحت وضعف معلوم کرنے کے لیے اتصالِ سند، ثقہ راویان اور عدم شذوذ وعلت جیسے نہایت سخت اصول متعارف کروائے ہیں جو محض حدیث پر حکم لگانے کے لیے جاری کیے گئے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ان کڑے

اصولوں کو حدیث کے علاوہ کسی اور فن پر لاگو کرے گا تو نتیجتاً اس فن کا معتد بہ ذخیرہ رائیگاں ہو جائے گا۔'' (حوالہ مذکورہ)

کیا ہم مقالہ نگار سے پوچھ سکتے ہیں کہ صحت کتاب کی پہلی ہی شرط ''مولف یا مصنف کے خود ثقہ'' ہونے کی کیوں لگائی؟ جبکہ یہ اصول ''محض حدیث پر حکم لگانے کے لیے جاری کیے گئے ہیں''!!! جب اتصال سند صحت کتاب کے لیے ہے ہی نہیں تو پھر ''مولف تک سند صحیح یا حسن'' کا تقاضا کیوں؟ اگر ہے تو مولف تک سند صحیح یا حسن کس طریقے پر پرکھی جائے گی؟ ان کڑے اصولوں کے مطابق جو ''محض حدیث پر حکم لگانے کے لیے جاری کیے گئے ہیں۔'' یا کوئی میڈ اِن فیصل آباد ہے؟؟

❁ خبیب صاحب لکھتے ہیں: ''سند اور اتصال سند کی اہمیت مسلّم ہے جس سے انکار کی مجال نہیں۔'' (حوالہ مذکورہ)

تجزیہ: اس مجال میں بھی اضطراب ہے جس کا عملاً ثبوت انھوں نے العلل الکبیر اور سؤالات آجری کے سلسلے میں دیا ہے کہ وہاں نہ سند کا خیال ہے اور نہ اتصال سند کا!!!

اگر موصوف کہیں: ''اہل فن کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ہر ہر فن کے لیے علیحدہ علیحدہ اُصولوں کی داغ بیل ڈالی ہے۔'' (حوالہ مذکورہ)

تو عرض ہے کہ وہ اصول کہاں ہیں؟ محض استدلال کو اصول شمار کرنا خود بے اصولی ہے۔ جس طرح کسی محدث کا ضعیف روایت سے استدلال اس کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں اسی طرح کسی غیر ثابت کتاب سے استدلال یا حوالہ نقل کرنا اس کے ثابت ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

جب بھی علماء نے کسی کتاب کو غیر ثابت قرار دیا ہمیشہ سند ہی کی بنیاد پر دیا ہے۔ یہ کون سا اصول ہے کہ جب کتاب کو غیر ثابت کہنا مقصود ہو تو سند پر بحث کر دی جائے اور جب اسے قبول کرنا ہو تو سند کو درخور اعتنا ہی نہ سمجھا جائے؟؟

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ ''مسند امام زید'' کی سند پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''حضرت زیدؒ سے اس سند کا راوی تنہا عمرو بن خالد الواسطی ہے اور وہی محدثین کرام



کے نزدیک بالاتفاق کذاب اور وضاع ہے۔ کوئی قابل اعتبار قول اس کی توثیق میں منقول نہیں۔'' (مقالات جلد دوم ص ۷۵)

حیرت ہے کہ ''سؤالات أبي عبید الآجري'' کے بنیادی راوی ابوعبید آجری کی توثیق میں بھی کوئی قابل اعتبار قول منقول نہیں اور اس کی ایک سند کا راوی ''محمد بن أبي علی الاصبھانی'' جھوٹ کی تہمت سے بھی متصف ہے۔ یہ مقبول اور مسند زید غیر مقبول!!!

مسند الربیع بن حبیب، مسند زید اور کتاب الجہاد لابن المبارک وغیرھم باسند صحیح ثابت نہ ہونے کی بنا پر ہی متروک قرار پائی ہیں۔ دیکھئے تحریر علوم الحدیث للجدیع (۸۷۹/۲)

اگر محض حوالے کا اعتبار ہوتا تو کتاب الجہاد لابن المبارک کے حوالے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (فتح الباری ۷/ ۸۳) سمیت کئی علماء نے دیے ہیں۔

العلل الکبیر للترمذی؟

خبیب صاحب لکھتے ہیں: ''کوئی دعویٰ کرے کہ ''علل الترمذی الکبیر'' امام ترمذی کی تصنیف نہیں کیوں کہ وہ گم شدہ کتب میں ہے اور جو کتاب ''ترتیب العلل الکبیر'' کے نام سے ابوطالب محمود بن علی القاضی (وفات ۵۸۵ھ) کی معروف ہے وہ غیر ثابت شدہ ہے، کیوں کہ اس کی سند میں امام ترمذی کا شاگرد ابو حامد التاجر مجہول ہے تو کیا ایسا دعویٰ صحیح ہوگا؟'' (الاعتصام شمارہ: ۲۴ ص ۲۰)

تجزیہ: جی! یہ دعویٰ بالکل صحیح ہوگا اور اس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

1. آپ کے نزدیک ''مولف تک متصل سند کا وجود'' اور ''مولف تک سند صحیح، حسن'' وغیرہ صحت کتاب کی شرائط میں سے ہے۔ (الاعتصام شمارہ: ۲۴، ص ۲۰، ۲۱)
2. اور آپ کو یہ بھی تسلیم ہے کہ ''بلاشبہ ابواحمد التاجر احمد بن عبداللہ بن داود المروزی مجہول ہے۔'' (الاعتصام شمارہ: ۲۴ ص ۲۰) اور جس سند میں مجہول راوی ہو وہ سند کبھی صحیح یا حسن نہیں ہوسکتی۔ تدبر جداً
3. خارجی قرائن میں پہلا قرینہ آپ نے یہ درج کیا ہے کہ ''مولف کے زمانے میں اس



کے معاصرین علماء اور تلامذہ میں کتاب معروف نہ ہو......'' (الاعتصام شمارہ: ۲۴ ص ۲۱)

اور یہ مسلم حقیقت ہے کہ موجودہ ''العلل الکبیر'' مولف کے زمانے میں اس کے معاصرین علماء اور تلامذہ میں قطعاً معروف نہ تھی۔

آپ نے جس پہلے محدث کو بطور دلیل پیش کیا ہے وہ امام بیہقی رحمہ اللہ ہیں جو نہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے معاصر ہیں اور نہ تلامذہ میں سے ہی ہیں۔ امام بیہقیؒ ۴۵۸ھ کو فوت ہوئے، جبکہ امام ترمذی رحمہ اللہ ان سے تقریباً ۱۷۹ سال پہلے (۲۷۹ھ میں) فوت ہو چکے تھے۔ ۱۷۹ سالہ دور میں موجودہ ''العلل الکبیر'' کا کہیں کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔

4. اس بات کی بھی کوئی گارنٹی نہیں کہ یہ وہی العلل ہے جو امام بیہقیؒ کے پاس تھی، کیونکہ آپ نے خود امام بیہقیؒ کے نقل کردہ کئی اقوال کے بارے میں لکھا ہے ''العلل میں یہ دونوں قول نہیں ملے۔'' مطبوع العلل الکبیر میں یہ قول نہیں مل سکا۔'' (الاعتصام شمارہ: ۲۴ ص ۲۳)

5. ابو تاجر کے ساتھ ساتھ ابو طالب القاضی کی کسی معتبر محدث نے توثیق نہیں فرمائی، لہٰذا محض اس کے حالات مل جانا کافی نہیں اور ان دونوں کی توثیق صحت کتاب کے لیے ضروری ہے، جیسا کہ آپ اپنے مضمون میں خود واضح کر چکے ہیں۔

6. آپ کے نزدیک یہ کتاب گمشدہ ہے!! جیسا کہ آپ نے لکھا ہے: ''امام ترمذی نے ''العلل الکبیر'' لکھی جسے ''العلل المفرد'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ جو گمشدہ کتب میں شمار ہوتی ہے۔'' (الاعتصام شمارہ: ۲۴ ص ۲۲)

اگر یہ اب بھی گمشدہ ہی ہے تو ثابت کیونکر ہو گئی؟

7. آپ کے نزدیک ''کتاب کی شہرت اس کی صحیح سند سے کفایت کرتی ہے'' (حوالہ مذکورہ) لیکن دوسری طرف آپ نے اس کی مشکوک صورت کے بارے میں لکھا ہے کہ ''مولف کے زمانے میں اس کے معاصرین اور تلامذہ میں کتاب معروف نہ ہو۔''

(الاعتصام شمارہ: ۲۴ ص ۲۱)

جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ شہرت کا تعلق مولف کے زمانے سے ہے نہ یہ کہ 2 یا 3



سوسال بعد شہرت کا آغاز ہو!!!

8 آپ نے فرمایا: ''ہمارے سامنے کوئی ایسی مثال نہیں گزری جس سے معلوم ہو کہ امام ترمذی کی رائے یہاں متصادم ہے، یعنی جامع ترمذی اور العلل الکبیر میں۔''

(الاعتصام شمارہ: ۲۵ ص ۲۳)

لیجیے! متصادم کی مثال حاضر ہے:

① امام ترمذی ﷺ نے حدیث: ((مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ ......)) کے بارے میں فرمایا: ''وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا فَلَمْ يَعْرِفْهُ'' میں نے (اس سے متعلق) امام محمد (بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ) سے پوچھا تو انھوں نے اسے پہچانا ہی نہیں، یعنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ جبکہ العلل الکبیر (۱/ ۳۱۵) میں منقول ہے کہ ''وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ فَقَالَ: هٰذَا مُنْكَرٌ'' ''یعنی میں نے اس حدیث کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا: یہ منکر ہے۔

② سنن الترمذی (۱۷۲۶) میں سیف بن ہارون کو ''مقارب الحدیث'' لکھا ہے، جبکہ العلل الکبیر (۱/ ۲۶۳) میں اسے ''له مناكير'' سے متصف کیا گیا ہے۔ اس طرح کی بیسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ والحمد لله

9 آپ نے علمی دھونس جمانے کے لیے امام بیہقی رحمہ اللہ سے لے کر اپنے معاصر تک کے حوالے نقل کر دیے جو بالکل بے سود ہیں، کیونکہ ان میں سے اکثر کی بنیاد امام بیہقی ہی ہیں، نیز امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ کے درمیان اتنا فرق ہے کہ مسافروں کی گردنیں ٹوٹ جائیں، بعد والوں کے فرق کا اندازہ آپ بخوبی کر سکتے ہیں۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

غلط فہمی: خبیب صاحب کی یہ غلط فہمی ہے کہ انھوں نے علم جرح و تعدیل اور اسماء الرجال کو جاہلی اشعار، عمومی واقعات اور دورِ رواں کے صحافیوں کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی، یہی وجہ ہے کہ وہ علم جرح و تعدیل اور اسماء الرجال سے متعلق کتب کو وہ اہمیت نہیں

دے رہے جن کی وہ متقاضی ہیں۔

ازالہ: حدیث کی صحت وضعف کی بنیاد علم جرح وتعدیل اور اسماء الرجال پر ہے، لہٰذا اس سلسلے میں جب تک وہی احتیاط اختیار نہیں کی جائے گی جو کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار دینے کے وقت کی جاتی ہے تو اس فن کے ساتھ انصاف نہیں ہو سکے گا، یعنی یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔ عجیب وغریب مثالیں بیان کرنے والوں سے عرض ہے کہ کیا العلل الکبیر یا سؤالات أبی داود الآجری: جاہلی اشعار، عمومی واقعات یا عام صحافیوں سے متعلق کتابیں ہیں کہ اصولوں سے انحراف کرتے ہوئے جیسے تیسے ان کو قبول کرلیا جائے۔ ان کتب میں ایسے مباحث ہیں کہ جن کی بنیاد پر کسی راوی کو ثقہ یا ضعیف اور کسی روایت کو صحیح یا ضعیف قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس فن پر علم حدیث کی بنیاد کھڑی ہے اسے کمزور کر کے کس علمی ہمدردی کا اظہار کیا جا رہا ہے؟ ''خدمتِ حدیث کی آڑ'' کا طعنہ دینے والے خود کن لوگوں کے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں؟ ہمارے نزدیک اس اہم اور بنیادی فن کو عام فنون کے ساتھ جوڑنا، ناانصافی اور ظلم کے مترادف ہے۔

خبیب صاحب کی بوکھلاہٹ:

خبیب صاحب نے اپنے مضمون کے شروع میں سند سے متعلق لمبی تمہید باندھی جس میں لکھتے ہیں: ''صحت کتاب کی چند شرائط ملاحظہ فرمائیے .... ناسخ یا مالک مخطوط سے مولف تک سند صحیح، حسن یا کم از کم قابل اعتبار ہو......... مولف تک متصل سند کا وجود''

(الاعتصام: شمارہ ۲۴ ص ۲۱، ۲۲)

اور مضمون کے آخر میں لکھتے ہیں: ''اگر اسنادی حیثیت ہی کو صحت کتاب کی شرط قرار دیا جائے تو اس کتاب کے علاوہ دیگر کئی ایسی کتب سے ہاتھ دھونا ہوں گے......'' (الاعتصام: شمارہ ۲۶ ص ۲۸)

یعنی صحت کتاب کے لیے سند شرط ہے بھی اور نہیں بھی ....؟؟

ع خود ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں

قارئین کرام! ہم نے اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے مقالہ ''سند کتاب اور منہج محدثین'' کا جائزہ لیا ہے۔ اللہ رب العزت کی توفیق سے اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ بھی لکھیں گے۔ ان شاء اللہ